COMMENTARY
ON
THE EPISTLE OF ST. JAMES.

یعقوب رسول کے خط عام

کی تفسیر

معہ [illegible]ن اور مفید دیباچہ وغیرہ کے

ڈاکٹر جے۔ ایچ۔ آربسن صاحب ایم۔ اے۔ ایم ڈی

نے

استادان و مبشران انجیل جلیل کے استعمال کیلئے تصنیف کیا

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی
اتارکلی لاہور

بار اول (۵۰۰) ۱۹۱۷ع قیمت ۴/

P. R. B. S. Lahore.

دیباچہ

مُصنّف۔ وہ یعقوب جو بزرگ یا بڑا کہلاتا ہے - اور جو یُوحنّا کا بھائی اور زبدی کا بیٹا تھا۔ اس خط کا مُصنّف نہیں۔ کیونکہ وہ اس خط کی تصنیف ہونے سے پہلے شہید ہو چُکا تھا۔ (یعنی قریب ۴۳ء کے۔ دیکھو اعمال باب ۱۲) غالباً یہ خط اس یعقوب کا لکھا ہوا ہے۔ جو یروشلیم کی کلیسیا کا میرِ مجلس تھا۔ (اعمال ۱۲: ۱۷ و ۱۵: ۱۳ و ۲۱: ۱۸) جسے پولُس خُداوند کا بھائی کہتا ہے۔ (گلاتی ۱: ۱۹) اور جو الفئس یعنے (کلیوفس) اور ہمارے خداوند کی ماں کی بہن) مریم کا بیٹا تھا۔ سب لوگ کیا یہودی اور کیا عیسائی اس کے نیک چلن اور عارفانہ زندگی کے باعث اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی بڑی دینداری اور دانائی کی وجہ سے راستباز مشہور ہو گیا تھا۔ آخرکار فریسیوں اور فقیہوں نے سازش کرکے اسے ہیکل کے کنگرے پر سے گرا دیا۔ اور پھر پتھراؤ کرکے اسے جان سے مار ڈالا۔ شہر یروشلیم کے برباد ہونے سے ایک سال پہلے یعنی ۶۹ء میں اس بزرگ کی شہادت وقوع میں آئی۔

کب تصنیف ہُوا۔ ۶۲ء میں۔

کہاں تصنیف ہوا۔ یروشلیم میں۔

کن کے لئے تصنیف ہُوا۔ یہ خطوطِ عام میں سے پہلا خط ہے۔ اور

ان یہودی مسیحیوں کے لئے لکھا گیا تھا۔ جو بارہ فرقوں سے علاقہ رکھتے تھے اور ان دنوں رومی سلطنت کے مختلف حصّوں میں تربتر تھے۔ یہ لوگ قسم قسم کی مشکلات اور طرح طرح کی ایذا اور تکلیف میں گرفتار تھے۔ بہتیرے افلاس اور غریبی کے سبب سخت مصیبت اور تنگی میں گرفتار تھے۔ اِس پراگندہ حالی کی وجہ سے ان کی رُوحانی حالت میں بہت تنزّل آگیا تھا۔ دُنیاداری اور غرور۔ خود نمائی اور خود غرضی۔ طمع اور بدگوئی۔ جھگڑے اور فساد ایک درجہ تک ان لوگوں میں پائے جاتے تھے۔ علاوہ بریں وُہ دولتمند مسیحیوں کی بڑی عزّت کرتے اور ان کی صحبت کے مشتاق رہتے تھے۔ مگر غریب عیسائیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ لیکن اِن کے تنزّل کا اصل باعث یہ تھا۔ کہ ان کو مسیحی مذہب کی خوبیوں اور عمیق رازوں کی تحقیق کرنے کا شوق نہ تھا۔ وہ اپنے تھوڑے علم کو بہت کچھ سمجھتے اور اپنے ایمان کے زبانی یعنی سرسری اقرار پر اکتفا کرتے تھے۔ گویا ان میں سے بہتوں کا مذہب صرف نام کا مذہب تھا۔

اس خط کی عبارت اور اس کے خواص۔ عبارت اس خط کی سلیس لطیف اور پُر معانی ہے۔ طرح طرح کی تمثیلیں اور تشبیہیں بڑے زور اور شاعرانہ خوبی کے ساتھ سلک عبارت میں منسلک کی گئی ہیں۔ تمام خط شروع سے آخر تک فصاحت اور تاثیر بخش کلام سے پُر ہے۔

مقصد اور مضامین۔ یہ خط اوّل سے آخر تک اخلاقی اور قابل تعمیل نصیحتوں سے بھرا ہُوا ہے۔ چنانچہ ان کو خطوط کا پہاڑی وعظ بھی کہا کرتے

ہیں۔ جس پیرایہ میں یہ خط مسیحی مذہب کو پیش کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسیحی مذہب شریعت کا تکملہ یا غایت ہے۔ اور کامل مسیحی تصویر پیش کرتا ہے۔ اور وہ اس بات پر کہ محبت فرمانبرداری کی راہ سے کام کرتی ہے۔ زور دیکر ظاہر کرتا ہے کہ شریعت کو پُورا کرنے کا یہی بڑا اصول ہے۔ وُہ بتاتا ہے۔ کہ انجیل ایک نئی اور آزادگی کی شریعت ہے۔ (یعقوب ۱:۲۵ و ۲:۱۲) رسول یہ چاہتا ہے کہ ان خیالات کی جو یہودیوں کے درمیان مروّج تھے۔ اصلاح اور تصحیح کرے۔ کیونکہ وہ اپنے زعم میں یہ سمجھے بیٹھے تھے۔ کہ خدا ہم کو ضرور راستباز ٹھیرائیگا۔ کیونکہ ہمارے پاس اس کی شریعت کا خزانہ موجود ہے۔ ہم اس کی ذات وصفات کا علم بھی رکھتے ہیں۔ ابراہیم کی نسل سے ہونا خدا کے حضور مقبول ٹھیرنے کے لئے کافی وسیلہ ہے۔ عملی دینداری اگر نہ ہو تو کیا مضائقہ۔ ہمارا ایمان ہم کو بچا لیگا۔ جو تعلیم ایمان پر پولوس نے نامۂ رومیاں میں دی ہے یعقوب اس کے برخلاف کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ اس کا دوسرا پہلو دکھا کر اسے مکمّل کر دیتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے خط میں اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہمیں صرف شریعت کا سُننے والا نہیں بلکہ عمل کرنے والا یعنی ابراہیم کی طرح اعمال سے راستباز بننا چاہیئے۔ چونکہ اس کے خط کا مقصد یہ ہے۔ کہ مسیحی اعمال یا دوسرے لفظوں میں عملی مسیحیت پر زور دیا جائے۔ اس لئے وہ اپنے خط میں مسیحی مسائل اور تعلیمات کا چنداں تذکرہ نہیں کرتا۔ اور نہ کوئی بات مسیح کی شخصیت وغیرہ کی نسبت پیش کرتا ہے۔ تاہم سارے خط

میں مسیح کی نورانی تعلیم کا عکس پایا جاتا ہے۔ بالتخصیص اس کے پہاڑی وعظ کا۔ (مقابلہ کرو یعقوب ۱: ۲ اور متی ۵: ۱۲ کا۔ پھر یعقوب ۱: ۵ اور ۵: ۱۵ کا ساتھ۔ متی ۷: ۷۔۱۱ کے۔ پھر یعقوب ۱: ۲۲ ساتھ۔ متی ۷: ۲۶۔ کے اور پھر ۲: ۲۳ اور متی ۵: ۷ و متی ۶: ۱۴ و ۱۵ کا اور ۲: ۱۷ اور متی ۷: ۲۱۔۲۳ کا اور ۴: ۴ اور متی ۶: ۲۴ کا پھر ۴: ۱۱ و ۱۲ کا ساتھ۔ متی ۷: ۱۔۲ کے ۵: ۲ کا ساتھ ۶: ۱۹ کے پھر ۵: ۱۱ اور یوحنا ۱۳: ۱۷ کا پھر ۵: ۹ اور لوقا ۶: ۲۵ کا پھر ۳: ۲۔۱۸ اور متی ۵: ۲۲ کا پھر ۵: ۱۲ ساتھ متی ۵: ۳۷) پھر یعقوب کی خصلت (کیرکٹر) سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شریعت پر کیوں اتنا زور دیتا ہے۔ وہ خود راستباز کے لقب سے ملقب تھا۔ اگرچہ اُسنے نئے خیالات کو قبول کر لیا تھا۔ تاہم پُرانے عہد کی باتیں بھی اس کے دل پر نقش تھیں۔ گویا وہ یہودی اور مسیحی مذہب یعنی شریعت اور انجیل کے درمیان ایک ایسی کڑی تھا۔ جہاں یہ دونوں وصل پاتے تھے۔ اس نے بڑی دیر کے بعد مسیح کے دعووں کو قبول کیا تھا۔ اس لئے ممکن ہے کہ اس نے انجیل کے منشا اور مُدعا کی وسعت کو بخوبی نہ پہچانا ہو۔ تاہم اس کے خط سے جا بجا ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ پورے ایمان سے مسیح کو خدا کا ازلی بیٹا مانتا تھا۔ مثلاً وہ اپنے تئیں "خدا اور خداوند یسوع مسیح کا بندہ" کہہ کر خدا اور مسیح کو برابر ٹھیراتا ہے۔ اس کے نزدیک یسوع ہی "جلال کا مالک ہے" ۲: ۱ لوگ اسی کا نام لے کر دعا مانگتے اور وہی ان کی دُعاؤں کا جواب دیتا ہے۔ (۵: ۱۳۔۱۴) وہی اس کے نزدیک

شریعت کا موجد اور وہی عدالت کے دن انصاف کرنے والا ہے۔ اسی نے آزادی کی کامل شریعت عطا کی۔ وہی اس کو قائم رکھنے والا ہے (۴: ۱۲ و ۵: ۹) اس آخر الذکر مقام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح وہ "خداوند" کا لفظ خدا کی شان میں استعمال کرتا ہے اسی طرح اس لفظ کو یسوع کے نام کے ساتھ بھی لاتا ہے۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ خداوند یسوع مسیح کے گواہوں میں سے یعقوب ایک بڑا پکا اور معتبر گواہ ہے۔

آخر میں ہم یہ یاد دلاتے ہیں کہ جن اخلاقی اصول کا اس خط میں تذکرہ پایا جاتا ہے۔ وہ ہندوستان کے مسیحیوں کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ وہ ایسے عملی قواعد ہیں جو ہمارے زمانہ اور خصوصاً اس ملک میں ہماری موجودہ حالت سے بڑی مناسبت رکھتے ہیں۔ بہت سے نصیحت بخش وعظ اور درس اس خط سے نیا۔ ہو سکتے ہیں۔ پس ہم ناظرین کو بڑی تاکید سے اس خط کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں۔

خلاصہ مضامین

اول۔ خطاب ۱: ۱

دوئم۔ ہدایات۔

(۱) برداشت کی نسبت ۱: ۲۔۱۸۔

(۲) کلام اللہ کو عمل میں لانے کی نسبت ۱: ۱۹۔۲۷۔

سوئم۔ نصائح۔

(۱) لوگوں کی طرفداری اور رعایت کرنے کے بارے میں - ۲:۱-۱۳-

(۲) بے عمل اور بے پھل ایمان کے بارے میں ۲: ۱۴- ۲۶-

(۳) تُند اور بے لگام زبان کے بارے میں ۳:۱-۱۲-

(۴) اس بارے میں کہ حسد اور جھگڑا سچی دانائی کے خلاف ہے۔ ۳: ۱۳- ۱۸-

(۵) بدی اور دُنیاوی شہوتوں کے بارے میں ۴:۱-۱۲-

(۶) ذاتی خوبیوں اور طاقتوں پر فخر کرنے کے بارے میں - ۴: ۱۳- ۱۷-

(۷) اس بارے میں کہ ہمارا بھروسہ دولت پہ نہیں بلکہ خداوند پر ہونا چاہیئے - شریروں اور ستم پیشہ دولتمندوں کی حالت پر واویلا - ۵: ۱-۶-

چہارم ہدایتیں

(۱) بردباری کی نسبت ۵: ۷-۱۱

(۲) دُعا اور تعریف کی نسبت ۵: ۱۲- ۱۸

(۳) اور لوگوں کو مسیح کی طرف رجوع کرنے کی نسبت ۵:۱۹-۲۰

یعقوب کے خط کی تفسیر

پہلا باب

۱- یعقوب کا جو خدا اور خداوند یسُوع مسیح کا بندہ ہے - ان بارہ فرقوں کو جو تتر بتر ہُوئے سلام -

یعقوب - دیکھو دیباچہ - **خُدا کا بندہ** - یعقوب اس وقت باعتبار اپنے مرتبہ کے سب رسولوں سے بزرگ سمجھا جاتا تھا - تاہم وہ ایسا فروتن اور خاکسار ہے - کہ اپنے تئیں بندہ کہتے ہُوئے شرماتا نہیں - جو لوگ کلیسیا میں اُونچے عہدوں اور اعلےٰ مراتب پر ممتاز ہیں وہ خادم سے بڑھ کر نہیں - پس ہمیں مخدوم بننے کا نہیں بلکہ خادم بننے کا خواہشمند ہونا چاہیئے - خادم یا بندہ ایسا خطاب ہے جس کی ہمیں بڑی قدر کرنی چاہیئے **اور یسوع مسیح کا بندہ** - یہ الفاظ مسیح کے دعووں کے ثبوت میں ایک بڑی پُر زور شہادت ہے - (دیکھو دیباچہ) **ان بارہ فرقوں کو** - یعنی یہودی مسیحیوں کی طرف جو یروشلیم کو اب تک مذہب کا مرکز سمجھتے تھے - یہ خطِ عام جو نصیحتوں سے پُر ہے یعقوب مہتمم کلیسیائے یروشلیم کی جانب سے روانہ کیا جاتا ہے - **تتر بتر ہیں** - یہودی قوم کا رومی سلطنت کے مختلف حصّوں میں تتر بتر ہو جانا انجیلی بشارت کے لئے ایک

عمدہ وسیلہ ٹھہرا۔ لیکن خدا اپنے بندوں کو جو تتر بتر ہو رہے تھے بھولا نہیں تھا۔ بلکہ ان کی بہبودی ہمیشہ اُسے مدِنظر تھی۔ چنانچہ یہ خط انہیں کی تسلی اور تشفی کے لئے رقم ہوا۔ دیکھو حزقی ایل ۱۱: ۶۔ سلام۔ لفظی معنے اس لفظ کے خیر یا خوشی ہیں۔ دوسری آیت میں اس خوشی کا ذکر آتا ہے۔

۲۔ اے میرے بھائیو۔ جب تم طرح طرح کی آزمائشوں میں پڑو تو اسے کمال خوشی سمجھو۔

کمال خوشی سمجھو۔ ہر آزمایش کو کمال خوشی کا باعث سمجھنا چاہئے۔ البتہ یہ بات بظاہر مشکل سی معلوم ہوتی ہے۔ مگر کلام میں بہت سی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں۔ جو دیکھنے میں ناممکن اور اَن ہونی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر درحقیقت اَن ہونی اور ناممکن نہیں ہوتیں۔ یہ بات بھی اس قسم کی ہے۔ فلسفہ کی یہ رائے ہے کہ آزمایشوں کے عالم میں سکونِ قلب اور خاموشی اختیار کرنی چاہئے۔ مگر مسیحی مذہب یہ سکھاتا ہے۔ کہ ایسی حالت میں خوش و خرم ہونا چاہئے۔ **میرے بھائیو۔** یہ الفاظ اس خط میں بہت دفعہ آتے ہیں۔ ان سے قومی یگانگت اور مذہبی مشارکت ظاہر ہوتی ہے۔ نیز اُنسے محبت اور باہمی ہمدردی مترشح ہے۔ **پڑو۔** اس لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آزمائشیں ہم کو اچانک آدباتی ہیں۔ وہ ہم کو چاروں طرف سے گھیرے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ہر وقت ہشیار اور مسلح رہنا چاہئے۔ تاکہ جب وہ آئیں۔

تو ہم حواس باختہ ہوکر مغلوب نہ ہو جائیں۔ **طرح طرح کی آزمائشوں** میں۔ آزمائشیں مختلف مدارج اور اقسام کی ہوتی ہیں۔ قدیم کلیسیا کے مسیحی افلاس اور تحقیر ظلم اور ایذا رسانی کے مصائب میں گرفتار تھے۔ آزمائشوں سے مسیحی خصلت ذکیر کیٹر پرکھی جاتی اور صاف کی جاتی ہے۔ وہ اعلٰے درجہ کے مسیحوں کا حصہ ہیں۔ (دیکھو کلسی ۱: ۱۱ یوحنا ۱۶: ۳۳۔ ۲-کرنتھیوں ۱۲: ۹ و ۱۰) جو آزمائشیں ہم کو گرانبار معلوم ہوتی ہیں۔ خدا ان کو اپنے فضل کے ہاتھ سے اُڑنے والے بازوں میں تبدیل کر سکتا ہے۔ مگر شیطان کوشش کرتا ہے کہ ہماری مصیبتوں کے ذریعہ سے ہمیں فرائض کے ادا کرنے سے روکے اور ہمیں قید گناہ میں اسیر کر رکھے۔ اور یوں ہمیں پژمردہ خاطر اور بے ایمان بنائے۔ لیکن ہمیں ان آزمایشوں کی نسبت یہ خیال کرنا چاہئے۔ کہ یہ برکتیں ہیں جنہوں نے تکلیفوں کا لباس پہنا ہوا ہے۔ "نیکبخت ہے وہ آدمی جسے خدا تنبیہ کرتا ہے"۔ (ایوب ۵: ۱۷)

۱۔ خدائے قادر ایک سُنار کی مانند ہے۔ سو جب وہ اپنے بندوں کو مصائب و تکالیف کی بھٹی میں گرنے دیتا ہے۔ تو اس وقت اسکو ایک ایسا مطلب مدِنظر ہوتا۔ جو فضل اور محبت سے پُر ہوتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے۔ کہ جو خوبیاں ہم میں عمدہ اور شیریں اور قیمتی ہیں۔ وہ ظاہر ہوں۔ اور ہماری نیک خصائل نشو و نما پائیں۔ اس مطلب کو پورا کرنے کے لئے ہمارے تفکرات اور ذمہ واریاں روزمرہ کی

تب تک کسی خوبصورت چیز کی شبیہ اس پر نقش نہیں ہوتی۔ سو اسی طرح اُنہیں لوگوں کی طبیعت اور مزاج سے خدا کی شکل منعکس ہوتی ہے۔ جو دُکھوں کی آگ سے صبر اور قناعت کے ساتھ گزرتے ہیں۔ دیکھو ۱۔پطرس ۱: ۶-۷۔ ۱۔پطرس ۴: ۱۲ و ۱۳۔ اور عبرانی ۱۲: ۱۱۔

۳۔ یہ جان کر کہ تمہارے ایمان کی آزمائش صبر پیدا کرتی ہے۔

آزمائش۔ یعنی سونے کی طرح ایمان کے تائے جانے سے مراد ہے۔ کہ جس طرح سونا آگ میں تایا جاتا ہے۔ یا اور بیش قیمت چیزیں پرکھی اور آزمائی جاتی ہیں۔ اسی طرح لازم ہے۔ کہ ایمان بھی پرکھا اور آزمایا جائے تاکہ وہ زیادہ تر خالص اور مضبوط بن جائے۔ یہ بات خاصکر نو مریدوں اور جوان مسیحیوں کی حالت سے زیادہ علاقہ رکھتی ہے۔ رومیوں ۵: ۳۔

صبر۔ استقلال۔ کسی کام میں متواتر لگے رہنا۔ استقلال اور ثابت قدمی سے کسی بات کو سہنا۔ برداشت کرنا۔ دیکھو لوقا ۸: ۱۵۔

۴۔ پر صبر کا کام پورا ہونے دو۔ تاکہ تم کامل اور پورے ہو۔ اور کسی بات میں ناقص نہ رہو۔

یعنی صبر کو کمال استقلال اور برداشت سے اپنا پورا کام کرنے دو اسے اپنا پورا اثر جمانے دو۔ جو آدمی آخر تک برداشت کرتا ہے۔ اور بھاری آزمائشوں کا بوجھ اور اپنی صلیب کا بار خوشی سے اُٹھاتا ہے۔ وہی آدمی مضبوط خصلت یعنے کیرکٹر رکھتا ہے۔ استقلال وہ خوبی ہے جو ہمارے

درمیان نایاب ہے۔ ہم اکثر بڑے جوش و خروش سے نیک کاموں کو شروع کرتے ہیں۔ مگر بہت مُدت گزرنے نہیں پاتی کہ ہم اپنی کوششوں میں دلشکستہ اور درماندہ اور بے پرواہ سے ہو جاتے ہیں۔ بہت سے سپاہی ہیں۔ جو میدانِ جنگ میں خوب لڑ سکتے ہیں۔ مگر اوّل درجہ کے وہ سپاہی ہوتے ہیں۔ جو کہ بھوک کی اچھی طرح برداشت کر سکتے ہیں جدعون کی سپاہ کے لئے وہ لوگ منتخب ہوئے۔ جنھوں نے ثابت کر دیا کہ ہم تکلیفوں اور صعوبتوں کو سہہ سکتے ہیں۔ اور ہم پر یہ بھروسہ ہوسکتا ہے۔ کہ ہم آخر تک عزم بالجزم کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے حقیقی مسیحی کو ذرا آزمائش کی آگ کے اندر دیکھو۔ شاید وہ کسی ہیبتناک آزمائش کے شعلوں سے جل رہا ہے۔ یا شاید کسی ایسی مرض میں مبتلا ہے۔ جس کے سبب سے اس کا بدن سوکھ کر کانٹا سا ہوا جاتا ہے۔ یا افلاس اور محتاجی کے چنگل میں گرفتار ہے۔ یا شاید تیرِ رسوائی اور سنانِ حقارت کا نشانہ بنا ہُوا ہے۔ یا کوئی اِس سے مہربانی اور شفقت۔ تہذیب اور شرافت سے پیش نہیں آتا۔ یا شاید اسے اپنے عزیزوں اور پیاروں کی موت کا غم کھائے جاتا ہے۔ لیکن وہ نہ شکوہ و شکایت کو زبان پر لاتا ہے۔ اور نہ گڑگڑاتا ہے۔ بلکہ بڑے حلم اور صبر اور استقلال کے ساتھ آگ کے بیچوں بیچ پھر رہا ہے۔ اس کے بشرہ سے دلیری اور شجاعت کے آثار نمایاں ہیں۔ فولادی کمان کی طرح اگر اس میں خم آ جائے۔ مگر وہ ٹوٹنے کا ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ اِس آگ

میں خداوند یسوع مسیح کی حضوری اور اس کی حفاظت اور ہمدردی کو اسی طرح محسوس کرتا ہے۔ جس طرح نبوکدنضر کی آتشیں بھٹی میں اُن تین عبری نوجوانوں نے ان برکتوں کو محسوس کیا۔ بلکہ وہ اس نتیجہ کو جو اس آگ سے پیدا ہوگا۔ سوچکر خوش ہوتا ہے۔ وہ اس بات کو کہ انسان دُکھوں سے کامل بنتا ہے۔ ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے۔ اور یہ سوچکر کہ میری تکلیفیں میرے خدا نے بھیجی ہیں۔ کہ مجھے ایک خوبصورت اور عزت دار اور کارآمد برتن بنائے اپنے دل میں بڑی تسلی پاتا ہے۔ جب پولوس نے خداوند کے یہ الفاظ سُنے۔ "میرا فضل تیرے لئے کافی ہے۔" تب اُس نے جانا کہ میرے جسم کا کانٹا میرے فایدہ کے لئے ہے۔ اُس کے بعد اس نے پھر کبھی اس کے نکالنے کی آرزو اور کوشش نہ کی۔ کامل بنو اور پُورے ہو۔ یعنی نہ کوئی نقص ہو اور نہ کسی حصہ یا جزو کی کسر رہے۔ ہر مسیحی کی دلی آرزو اور اعلیٰ غرض یہ ہونی چاہیئے۔ کہ اُسے مسیح کی سی خوش اسلوب اور کامل خصلت نصیب ہو۔ ایسی خصلت جس کی رُوحانی صفات و قواء اور خوبیاں اپنے قد و قامت تک پہنچی ہوئی ہوں اور جبتک یہ درجہ حاصل نہ ہو۔ ہم چپ چاپ نہ بیٹھیں۔ کیونکہ ہماری اعلیٰ بلاہٹ کا وہ نشان جس کی طرف ہمیں متواتر بڑھتے رہنا چاہیے۔ یہی ہے۔ خدا چاہتا ہے۔ کہ اس کی ہیکل مکمل ہو۔ سو وہ نہیں چاہتا کہ کہیں کہیں دریچہ کی کمی اور کہیں محراب کی کسر باقی رہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے جواہرات بے نقص اور بے عیب ہوں۔ وہ چاہتا ہے کہ

اس کے فرزند کامل ہوں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔ کہ تم کامل بنو۔ جیسا تمہارا آسمانی باپ کامل ہوں۔

۵۔ پر اگر کوئی تم سے حکمت میں قاصر ہو۔ تو خدا سے مانگے جو سب کو سخاوت کے ساتھ دیتا ہے۔ اور اُلہنا نہیں دیتا کہ اسکو عنایت ہوگی۔

اگر تم میں سے کوئی حکمت میں قاصر ہو۔ چونکہ کامل بننا جس کی ہدایت آیت ۴ میں کی گئی ہے۔ آسان کام نہیں۔ اس لئے رسول فرماتا ہے۔ کہ اگر کوئی اپنے تئیں حکمت میں قاصر دیکھتا ہو یعنی اپنی کمزوری اور نادانی کو محسوس کرتا ہو۔ تو چاہیئے کہ وہ خدا سے مانگے۔ وغیرہ۔ دانائی سے ایسی جگہ فقط علم و فہم مُراد نہیں۔ بلکہ ایسی حالت اور ایسا اعلےٰ مزاج مُراد ہے جو آزمائشوں کو خوشی اور برداشت سے سہہ سکتا ہے۔ پس اس حکمت سے وہ اعلےٰ دانائی مُراد ہے۔ جو ہمیں ہر حالت میں خواہ وہ کیسی ہی ناقابل برداشت کیوں نہ ہو۔ مطمئن صابر اور مستقل مزاج رہنا سکھاتی ہے۔ دیکھو آیات ۹-۱۰ تک۔ دانائی اپنے پھلوں سے اور نتیجوں سے پہچانی جاتی ہے۔ ۳ باب ۱۷۔ ۱۸۔ ہم اس دُنیا میں جو آزمائشوں اور اضطرابیوں اور شور و شغب سے پُر ہے۔ اس حکمت کے کیسے محتاج ہیں۔ خدا سے مانگے۔ یعنی اس کے پاس جو تمام خوبیوں اور اچھی نعمتوں کا منبع ہے۔ اور سچے علم و حکمت کا سرچشمہ ہے جائے۔ آسمانی نیک خزانہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ سو جس وقت ہمیں ضرورت ہو۔ اور ہر حالت میں

جس شے کے محتاج ہوں اسی وقت ہمیں اپنا چک (وہ پروانہ جسے دکھا کر روپیہ لیتے ہیں) پیش کرنا چاہئے۔ سخاوت کے ساتھ دیتا ہے۔ یعنی بے تکلفی اور کشادہ دلی سے دیتا ہے۔ الٹا نہیں دیتا۔ طعنہ نہیں دیتا۔ ہماری موجودہ نالائقی اور گذشتہ ناسپاسی اور حماقت کو یاد نہیں دلاتا۔ یہ عجیب وغریب سخاوت اور فیاضی اس بات کو ثابت کرتی ہے۔ کہ وہ مانگنے والوں سے اپنی برکتیں باز نہیں رکھتا۔ یہودی اکثر اس طرح دُعا کیا کرتے تھے۔ اے خدا مجھے آدمی کا محتاج نہ بنا کیونکہ انکی مہربانیاں تھوڑی۔ پر طعنے بہت ہیں۔ سو تو اپنے ہی کشادہ ہاتھ سے میری احتیاج رفع کر۔ خدا اپنی نعمتوں کو ہم سے باز نہیں رکھتا۔ اگرچہ وہ اپنے علم سے جان لیتا ہے۔ کہ اگر دی گئیں تو بُرے طور پر استعمال کی جائینگی۔ سلیمان کی وہ دُعا جو اس نے دانائی کے لئے کی پڑھنی چاہیئے۔ خُدا دُعا کا جواب دیتا ہے۔ (۱) دُعا خُدا کو عزت اور بزرگی دیتی ہے خدا دُعا کو اعلےٰ مرتبہ عطا کرتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جب ہم خدا سے کچھ مانگتے ہیں تو ہم سلطان السلاطین کے آگے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ اس لئے مناسب ہے۔ کہ ہم بڑی بڑی برکتوں کے لئے دُعا مانگیں۔ ہمیں بڑی بڑی چیزوں کی درخواست کرنی چاہیئے۔ اور بڑی بڑی چیزوں کا منتظر رہنا چاہیئے۔ ہمارے آسمانی باپ کی خوشی اس میں ہے کہ ہم چھوٹی اور بڑی ہر طرح کی احتیاج اس کے پاس لائیں۔ کیا ہم امتحان اور آزمائش میں مبتلا ہوں۔ کیا بارہا تفکرات ہم کو دبا رہے ہوں

آہ! ہم اکثر اوقات بے تسلی رہتے اور مفت دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ کیونکہ ہم اپنی ہر ایک مشکل کو دُعا ہی کے وسیلے خُدا ہی کے پاس نہیں لیجاتے۔ ہمارے نامعلوم آئندہ کی کُنجی اُسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے آیندہ کی نسبت اُسی پر پُورا پُورا تکیہ کریں۔ وہ اپنے فرزندوں کی طرف مخاطب ہوکر ہر ایک سے کہتا ہے۔ تُو اپنا مُنہ کھول اور میں اُسے بھر دُونگا۔ وہی اکیلا اس لایق ہے۔ کہ ہمیں وہ مَن عطا کرے۔ جس کے ہم اس صحرائی مسافت میں ہر روز محتاج ہیں۔ پس لازم ہے۔ کہ ہم ہر روز نیا اور تازہ ذخیرہ جمع کرتے۔ (۲) بائبل کے سب مشہور بزرگ مردِ دُعا تھے۔ اور ہمارا خداوند مردِ دُعا تھا۔ بائبل کی اِن دُعاؤں کا جو قبول ہو چکی ہیں مطالعہ اور مقابلہ کرنا چاہیئے۔ (۳) دُعا مانگنے کے لئے ہم کو طرح طرح کی تحریکیں اور احکام دیئے گئے ہیں۔ (۴) خدا نے دُعا کو ہمارے لئے نہ صرف فضل کا وسیلہ ٹھیرایا ہے۔ بلکہ اُسے ہماری زندگی کے لئے دستور العمل اور ایک قانون مقرر کیا ہے۔ دُعا مسیحی زندگی کے لئے بمنزلہ سانس کے ہے۔ لوتھر صاحب دعا کو مسیحی کی سوداگری اور پُونجی کہتے ہیں۔ (۵) خدا ہر ایک سچی دُعا کو سُنتا ہے۔ اور یا تو وہ وہی شے جو ہم مانگتے ہیں ہم کو بخشتا ہے۔ یا اس کی جگہ کوئی اور بہتر شے ہم کو مرحمت فرماتا ہے۔ اکثر اوقات دیکھنے میں آتا ہے۔ کہ لایق اور حاذق حکیم مریض کو وہ چیز جو وہ مانگتا ہے نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ اس کو وہ چیز تھوڑی دیر کے لئے لذت بخشیگی۔ مگر بعد میں مضرت کا باعث ٹھیریگی۔ اور

اس میں کلام نہیں کہ طبیب بیمار کے فایدہ کی غرض سے وہ چیز ہمیں دیتا علاوہ بریں ہم دیکھتے ہیں کہ اچھے اور دانا ماں باپ بھی اپنے بچوں سے ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ سو خدا بھی اُسی طرح اپنے بندوں سے پیش آتا ہے۔ وہ ہمیں ہر ایک شے جو ہم مانگتے ہیں۔ نہیں دیتا۔ لیکن ہر شے جس کی ضرورت ہم کو ہوتی ہے۔ ہمیں عطا کرتا ہے۔ بشرطیکہ ہم سچی دُعا کے تمام لوازمات پورے کریں۔ (۶) رُوحانی برکات کے لئے جو دُعا کی جاتی ہے۔ اُسے خدا کبھی نامنظور نہیں کرتا۔ بلکہ ہر وقت بغیر کسی طرح کے عذر اور شرط کے اس قسم کی دُعاوں کو سُننے اور جواب دینے کو تیار ہے۔

۶۔ پر ایمان سے مانگے۔ اور کچھ شک نہ کرے۔ کیونکہ شک کرنے والا سمندر کی لہر کی مانند ہے۔ جو ہوا سے بَہتی اور اُچھلتی جاتی ہے۔

پر ایمان سے مانگے۔ یعنی اپنے تئیں خدا پر چھوڑ دے۔ اور یہ یقین اور بھروسہ رکھے کہ مَیں جو کچھ مانگتا ہوں۔ وہ دے سکتا ہے۔ اور دینا چاہتا ہے۔ مؤثر دعا کے شرائط ذیل میں درج ہیں۔ (۱) سب سے بڑی شرط یہ ہے۔ کہ دُعا سادی اور سچے اور سرگرم ایمان سے کی جائے بدوں ایمان کے کوئی شخص خدا کے پاس آ نہیں سکتا۔ اور نہ اُسے خوش کر سکتا ہے۔ ایمان خدا کو عزّت اور جلال دیتا ہے۔ اور سائل کو برکات مطلوبہ کی تحصیل کے لایق بناتا ہے۔ لیکن ایمان اپنے تئیں اعمال کی راہ سے ظاہر کرتا ہے۔ جیسا کہ یعقوب رسول باب دوم میں دکھاتا ہے (۲) کسی

خاص برکت پر جس کا خدا کی مرضی کے مطابق ہونا ثابت ہے۔ دُعا کو محصورہ محدود ہونا چاہئے۔ یعنی دُعا کے مضامین میں خلط ملط نہ ہوں۔ بلکہ سائل کے ذہن میں ایسے صاف اور جُدا جُدا ہوں۔ کہ وہ جانے کہ مَیں اُس وقت فلاں خاص برکت کے لئے خدا سے دُعا مانگ رہا ہوں۔ مترجم (۳) چاہئے کہ سائل استقلال اور اصرار کو کام میں لائے۔ یعنی ایک دو دفعہ مانگ کر آشفتہ خاطر نہ ہو جائے۔ بلکہ بار بار مانگتا رہے۔ (۴) چاہئے کہ وہ سرگرمی کو کام میں لائے۔ یعنی جس طرح یعقوب نے خداوند کے فرشتہ کے ساتھ کشتی کرتے وقت کیا۔ اسی طرح دُعا مانگنے والے کے لئے ضرورت ہے۔ کہ وہ سرگرمی سے پُکارے۔ اور خُداوند کو پکڑے رہے۔ اُس کو دُعا میں زور آور بننا چاہئے۔ (۵) سایل ایسا شخص ہو جو خدا کی اطاعت و فرمانبرداری سے زندگی بسر کرتا ہو۔ اور اُس کی مرضی کو قبول کرنے کے لئے ہر دم راضی اور تیار ہو۔ (۶) دُعا مانگنے والے کا دل گناہ اور خود غرضی اور حسد کے میل سے صاف ہو۔ کیونکہ یہ باتیں رخنہ ڈالتی اور دعا کو بے اثر کرتی ہیں۔ راستباز کی منت جب استعمال کی جاتی بڑی تاثیر رکھتی ہے۔ یعقوب ۵:۱۶۔ اگر ہم چاہتے ہیں۔ کہ ہماری دُعاؤں کا جواب ملے۔ تو ضرور ہے۔ کہ ہم خدا کی قدرت اور وعدوں پر ایمان لائیں۔ اور خداوند یسوع مسیح کے دامن فضل کو نیک نیتی اور صدق دلی اور وفاداری سے پکڑے رہیں۔ شک کرنے والا۔ یونانی لفظ سے جس کا ترجمہ شک کیا گیا ہے۔ مُراد ڈانواں ڈولی ہے۔ یعنی وہ حالت جو اعتقاد اور بے اعتقادی کے بیچوں بیچ معلق ہے مثل

اسرائیلیوں کے جو بظاہر خدا کی قدرت کے مقر تھے۔ مگر بارہا خدا کی قدرت کو محدود سمجھکر بے ایمانی کی طرف جھک جاتے تھے۔ دیکھو زبور ۷۸: ۴۱۔ لیکن ہمیں اِس کے برعکس ابراہیم کی حالت کا ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ جو کبھی وعدہ میں شک نہ لایا۔ رومی ۴: ۲۰۔ جو شخص شبہ لاتا ہے۔ وہ خدا کی بے عزتی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ یا تو اس کی قدرت کا قائل نہیں اور یا اس بات کو نہیں مانتا کہ وہ دینا چاہتا ہے۔ سمندر کی لہر کی مانند ہے۔ یہ خوبصورت تشبیہ ان تشبیہات میں سے ایک ہے جو اس خط میں پائی جاتی ہیں۔ لہر ایسی شے ہے۔ جس میں ذرا بھی قرار اور ثبات نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ حرکت میں رہتی۔ لہٰذا اس میں ہمیشہ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یہی حال بے استقلال اور بے قرار آدمی کا ہے۔ کبھی تو وہ ساحل ایمان و اُمید کی طرف آجاتا ہے اور کبھی بے اعتقادی میں غرق ہونے لگ جاتا ہے۔ ان باتوں میں بعض عیسائیوں کی سچی تصویر کھینچی ہوئی نظر آتی ہے۔ دیکھو افسی ۴: ۱۴۔ ہم بارہا اپنے خُداوند کو غم و غصہ کی آواز سے یہ کہتے سنتے ہیں۔ اے کم اعتقادو۔

۷۔ پس ایسا شخص ہرگز گمان نہ کرے کہ خداوند سے کچھ پاویگا۔

ایسا شخص۔ یعنی وہ جو غیر مستقل مزاج اور فریب خوردہ ہے۔ کچھ البتہ خدا کے رزاقی کی برکات عامہ جو سب کو ملتی ہیں۔ مثل خوراک و پوشاک کے۔ ممکن ہے کہ اسے بھی ملیں۔ لیکن اِن برکتوں سے جو خاص دُعا کے جواب میں ملتی ہیں۔ اسے کچھ نصیب نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ خدا کو ٹھٹھوں میں

اُڑاتا ہے۔ لغزش کھانے والا ایمان ہمارا اُلجھانے والا گناہ ہے۔ اور ہماری مسیحی زندگی میں ہماری ناکامی اور کمزوری کا ایک بڑا بھاری باعث ہے۔

۸۔ وہ دِلا آدمی اپنی ساری روشوں میں بے قرار ہے۔

اس آیت کے الفاظ بھی ایسے شخص کے بیان میں آئے ہیں۔ جس کا ذکر ساتویں آیت میں ہو چکا ہے۔ دو دِلا آدمی اس سے مراد ہے وُہ آدمی جو اپنی ساری راہوں میں بے قرار اور بے استقلال ہے۔ وہ ریاکار نہیں۔ بلکہ متلون مزاج اور اپنے خیالات میں ناپائیدار ہے۔ گویا اِس کے دو دل ہوتے ہیں۔ ایک خدا کی طرف اور دوسرا کسی اور طرف لگا رہتا ہے۔ وہ ایک ہی وقت میں اوپر اور نیچے دونوں طرف دیکھتا ہے۔ وہ گویا آلۂ بادنما کی مانند ہے۔ جو ہر طرف گھومتا رہتا ہے۔ وہ کچھ ترقی نہیں کرتا۔ بلکہ رُوحانی خطرہ میں رہتا ہے۔ وہ قسم قسم کی آزمائشوں میں بآسانی گرفتار ہو سکتا ہے۔ اور "مسیحی مسافر کے دو دلے" کی طرح جلدی مایوسی کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔

۹ اور ۱۰۔ بھائی جو پست حال ہے۔ اپنی بلندی پر فخر کرے۔ اور جو دولتمند ہے اپنی پستی پر۔ اس لئے کہ وہ گھاس کے پھول کی طرح جاتا رہیگا۔

رسُول اس جگہ تلون اور بے استقلالی کا علاج بتاتا ہے۔ چنانچہ وہ نہیں جو تنگدست تھے (اور اِس میں شک نہیں کہ قدیم زمانہ کے بہتیرے مسیحی ایسے تھے) یہ نصیحت کرتا ہے کہ اگر کوئی بھائی غریب ہو تو وہ اپنی غریبی کی تکلیفوں میں خوش رہے۔ کیونکہ وہ درحقیقت ایک اعلےٰ رُتبہ پر

ممتاز ہے۔ یعنی وہ خدا کا فرزند اور اس کی دولت کا وارث گنا جاتا ہے پس وہ اپنے ایمان میں مضبوط رہے۔ کیونکہ اس کی تکلیفیں اس تاج کا جو اسے ملنے والا ہے بیجا نہ ہیں۔ (دیکھو آیت ۱۲) اور پھر وہ دولتمندوں سے کہتا ہے۔ کہ تم بھی اپنی تکلیفوں اور آزمائشوں سے خوش ہو۔ کیونکہ وہ تم کو پست اور فروتن بناتی ہیں۔ پس وہ نصیحت کرتا ہے۔ کہ دولتمند بھی اپنے ایمان میں خواہ اس کی دولت چھن جانے کے خطرہ ہی میں کیوں نہ ہو۔ مضبوط ہے اس کا دل خدا اور دولت دونوں میں منقسم نہ ہو۔ کیونکہ اگر باعتبار دولت کے اس کو دیکھیں تو ظاہر ہے کہ وہ گھاس کے پھول کی طرح گذر جائے گا۔ پر اگر وہ یسوع مسیح میں پایا جائے۔ تو ابد تک قائم رہیگا۔ پس دولتمندوں کو ایسی باتوں سے خوش ہونا چاہئے۔ جو دُنیا کی محبت سے علیحدہ اور غرور و خودنمائی کے پنجہ سے رہا کریں۔ اور ان خزانوں کی قدر کرنا سکھائیں۔ جو آسمان پر جمع ہیں۔ اور جن میں کبھی زوال نہیں آتا۔ دولتمندوں کی خوبی اور بڑائی اِس میں ہے کہ وہ رُوح میں پست اور خاک ہوں۔ اور یہی صفت غریبوں کے حُسن و اخلاق کا خوبصورت اور چمکیلا زیور ہے۔ مذہب عیسوی دونوں طرح کا اثر رکھتا ہے۔ وہ سرفرازی بخشتا ہے۔ اور نیز پست بناتا ہے۔

۱۱۔ کیونکہ جب سُورج نکلتا اور لُو چلتی ہے۔ تب گھاس کو سُکھا دیتی ہے اور اُس کا پھول جھڑ جاتا ہے۔ اور اس کے چہرہ کی خوبصورتی جاتی رہتی ہے۔ یوں ہی دولتمند بھی اپنی راہوں میں مُرجھا جائیگا۔

اس کے چہرہ کی خوبصورتی ۔ یہ ایک اور خوبصورت استعارہ ہے جو اس آیت میں پایا جاتا ہے۔ **اپنی راہوں میں** راہوں سے تجاویز و تدابیر مُراد ہیں۔ جو وہ اکتساب مال اور حصول دُنیا کے لئے سوچتا رہتا ہے دوسرے الفاظ میں اس کی راہیں دولت جمع کرنے کے طریقے ہیں۔ جن میں وہ بڑی توجہ اور فکر سے لگا رہتا ہے۔

۱۲۔ مبارک وہ آدمی جو آزمایش کی برداشت کرتا ہے۔ اس واسطے کہ جب وہ آزمایا گیا۔ تو زندگی کا تاج جس کا خدا نے اپنے محبت رکھنے والوں سے وعدہ کیا ہے پاویگا۔

یعنی خوش یا نیکبخت ہے وہ شخص وغیرہ۔ پہاڑی وعظ کی مبارکبادیوں کا یہاں مقابلہ کرنا چاہیئے۔ **جب وہ آزمایا گیا**۔ لغوی معنی جب وہ آزمایش میں ثابت نکلا یا تایا گیا اور فاتح نکلا۔ **زندگی کا تاج**۔ یہاں مُراد اس تاج سے وہ تاج ہے جو فتحمندی کے صلے میں ملتا ہے۔ تاہم عام طور پر اس سے ظفرمندی اور شاہانہ ہر دو طرح کا تاج مُراد ہے۔ دیکھئے زندگی کا نام جتانے والا تاج گھاس کے مُرجھانے والے پھُول کے مقابلہ میں کیسی بے بہا نعمت ہے۔ (دیکھو آیات ۱۰ و ۱۱) جس کا خُدا نے یُونانی میں بجائے خدا کے خُداوند کا لفظ (Kiprios) پایا جاتا ہے۔ جس سے مُراد خداوند مسیح ہے۔ (دیکھو متی ۱۹: ۲۹۔ مکاشفات ۲: ۱۰۔ اور ۲۔ تمطاؤس ۴: ۸) اور یہ تاج صرف بڑے بڑے مقدسوں ہی کیلئے نہیں بلکہ ان سب کے لئے جو اسے پیار کرتے ہیں۔ یہ آیت اس خوشی

اور سرور کی حالت پر دلالت کرتی ہے۔ جو آنے والی دنیا میں خدا کے بندوں کو نصیب ہوگی۔ دیکھو عبرانی ۱۲: ۱ سے ۱۰ تک مکاشفات ۲۱ ۴۔

۱۳۔ جب کوئی امتحان میں پھنسے تو وہ نہ کہے کہ وہ خداوند کی طرف سے پھنسا کیونکہ خداوند بدی سے نہ آزمایا جاتا۔ اور نہ کسی کو آزماتا ہے۔

جب کوئی آزمایش میں پھنسے۔ اس آیت تک آزمائش کے اِس پہلو کا ذکر ہوتا رہا۔ جو تکلیف اور دُکھ سے علاقہ رکھتا ہے۔ لیکن اس آیت میں اس امتحان کا ذکر کیا جاتا چاہئے۔ جو بدی کی خواہش سے تعلق رکھتا ہے۔ یہودیوں اور غیر قوموں کے درمیان یہ خیال عام تھا۔ کہ جو گناہ لوگوں سے سرزد ہوتے ہیں اُن کا بانی خُدا ہے۔ اور اب بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ اپنے گناہوں کی ذمہ واری سے بری ہونے کے لئے اس قسم کے بہانے پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے۔ کہ کوئی آدمی ارتکابِ عصیاں کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا۔ بلکہ گناہ کے وجود کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ خدا کو گناہ کا بانی ٹھیرانا انسان کے مغرور۔ اور تاریک دل کی بناوٹ ہے گناہ کا خدا سے منسوب کرنا گویا اس کی بے عزتی کرنا اور اپنے گناہ پر پردہ ڈالنا اور مقدسانہ زندگی کی راہ میں ٹھوکر کھلانے والا پتھر نصب کرنا ہے۔ پس ایسے ناجائز خیال کو کبھی نہ آنے دینا چاہئے۔ ایسے خیال کو جڑ سے دُور کرنا چاہئے۔

خدا بدی سے نہ آپ آزمایا جاتا ہے۔ اِن الفاظ سے یا تو یہ مُراد ہو سکتی ہے۔ کہ خدائے تعالےٰ کی ذات بدی سے بالکل واقف ہی نہیں یا یہ کہ ہماری بُرائی اس بات کا موجب نہیں ہو سکتی کہ اسے خدا پر

ترغیب دے۔ کہ وہ ہمیں اور بدتر بُرائی کی طرف مائل کرے۔ جو بات اس کی ذات اور الٰہی طبیعت کے خلاف ہے۔ وہ اس کی رعایت اور مدد ہرگز نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ بات تصوّر ہی میں نہیں آسکتی۔ کہ خدا کی عظیم اور بے داغ پاکیزگی تک بدی کی ہوا کا کبھی گذر بھی ہُوا ہو۔ چہ جا کہ وہ لوگوں کو بدی کی طرف مائل کرنے والا ٹھیرے۔ برعکس اس کے اس نے ہم کو اپنے اس ارادہ کے مطابق پیدا کیا۔ کہ ہم پاک بنیں۔ اور وہ ہمیشہ تیار ہے۔ کہ رہائی کا دروازہ کھول کر ہمیں آزمائش کے بند سے آزاد کرے۔ اب اِس مضمون کے متعلق ان دو باتوں میں امتیاز کرنا ضروری امر ہے۔ یعنی آزمانا بمعنی پرکھنا یا جانچنا اور بات ہے اور آزمانا بمعنی ورغلانا دیگر بات ہے۔ (دیکھو ابراہیم کا حال جب کہ وہ اِضحاق کو قربان کرنے پر تھا۔ (پیدایش ۲۲) خدا نجاست اور میل کو پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ جہاں وہ موجود ہیں۔ وہاں اُن کو امتحانات کی آگ سے ظاہر کر دیتا ہے۔

۱۴۔ مگر ہر ایک شخص اپنی خواہشوں سے کھنچ کر اور جال میں پھنسکر امتحان میں پڑتا ہے۔

جب کوئی شخص امتحان میں گرفتار ہوتا ہے۔ تو اس کا باعث اِس کی خواہش ہوتی ہے۔ یعنی گناہ کا سبب ہم ہی میں ہے۔ شیطان کی ترغیب اور دام سے ہم کو اس وقت نقصان پہنچتا ہے۔ جب کہ ہم اس کی تحریکوں کو اپنا بنا لیتے ہیں۔ (یعنی اس کی بھانے والی

باتوں کو ایسا کھاتے اور ہضم کرتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے ارادے اور مرضی میں داخل ہو کر ہماری بن جاتی ہیں۔ مترجم) جب انسان خود گناہ کرنا چاہتا اور گناہ کرنے کی عادت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور گناہ کو پیار کرنے لگتا۔ کہ اس سے کسی طرح باز نہیں رہ سکتا۔ تو ایسی حالت میں شیطان یا کسی اور پر اپنی جوابدہی کا بوجھ ڈالنا واجب نہیں ہر ایک شخص اپنی اپنی خاص خواہشیں رکھتا ہے۔ جو اس کے خاص مزاج سے پیدا ہوتی ہیں۔ بُری خواہشوں کا اصل چشمہ ہمارا ذاتی گناہ ہے جو ہماری طبیعت میں مخلوط ہے۔ اور جو ہم نے پہلے آدم سے وراثت میں پایا۔ لُبھا کر۔ لغوی معنی ہیں کھینچا جا کر۔ یہ پہلا قدم ہے۔ جو سیدھے راستہ سے ہٹکر دوسری طرف رکھا جاتا ہے۔ **اور جال میں پھنس کر** - یہ دوسرا قدم ہے۔ جو گناہ کی طرف اُٹھایا جاتا ہے۔ مُراد اس سے یہ کہ جس طرح پرندہ کو دانۂ دام لُبھا لیتا ہے۔ اسی طرح یہ شخص بھی لبھا لیا جاتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آدمی آپ اپنے آپ کو جال میں پھنساتا ہے۔ کیونکہ وہ خود اس چیز کو جس کے چھونے کی ممانعت ہے۔ اور جو فی الواقع اس کے لئے مضرت رساں ہے چکھنے جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے نفس کو اس سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ بُری خواہش کو خواص و صفات شخصیت سے متصف ٹھیرا کر ایک کسبی قرار دیا ہے۔ جو لوگوں کو اپنے پھندے میں پھانس رہی ہے۔

۱۵- سو خواہش جب حاملہ ہوتی۔ تب گناہ پیدا کرتی اور گناہ جب تمامی تک پہنچتا ہے۔ موت کو جنتا ہے +

کیسا عجیب استعارہ ان الفاظ میں قلمبند ہے۔ اب یہ آیت ایک ناجائز اور نامناسب میل کی تمامی اور کاملیت کو ہمارے سامنے لاتی ہے گویا انسانی ارادہ اور لبھانے والی شے کے باہمی میل اور اتحاد سے خواہش حاملہ ہوتی ہے۔ اور اس گناہ کو جنتی ہے۔ جس کے ارتکاب کی ترغیب آدمی کو دی گئی تھی۔ اور پھر گناہ تمامی کو پہنچکر (یعنی پورے قدوقامت تک بڑھ کر) موت کو جنتا ہے۔ اب ان دونوں باتوں کو پہلو بہ پہلو رکھ کر مقابلہ کرو۔ ایک طرف موت کو رکھو جو گناہ سے مغلوب ہونے کا نتیجہ ہے۔ اور دوسری طرف زندگی کا تاج (دیکھو آیت ۱۲) جو صبر اور ثابت قدمی سے نیک کاموں میں لگے رہنے کا اجر ہے۔ **تمامی تک** - یعنی پورے قد تک پورے درجے تک۔ **موت** (ابدی موت بمقابلہ ابدی زندگی کے۔ دیکھو رومی ۶: ۲۱ و ۲۳- اور رومی ۷: ۱-۶- جہاں نکاح کی مثال سے مسیح کے ساتھ میل رکھنے اور گناہ کے ساتھ میل رکھنے کے پہلوؤں کا مقابلہ کیا گیا ہے) آیات ۱۴ اور ۱۵ میں گناہ کے آغاز اور ترقی کا بڑا واضح اور مختصر بیان مندرج ہے۔ اس کی ترقی کے مختلف مدارج یا منزلیں یہ ہیں۔ (۱) گناہ آلودہ شے کا خیال۔ (۲) اس کو صفحۂ دل پر نقش کر لینا۔ اور بار بار اس کی نسبت سوچتے رہنا۔ (۳) اس شے کے حاصل کرنے

کی خواہش دل میں پیدا ہونا۔ (۴) اس خواہش کو عمل میں لانا۔
(۵) افسوس کرنا۔ پچھتانا اور اپنی بدبختی کو محسوس کرنا۔ (حوا کی آزمایش
کا حال پڑھنا چاہئے۔ پیدائش ۳)

یاد رکھنا چاہئے۔ کہ آزمایش یعنی گناہ کا خیال گناہ نہیں۔ گناہ
اس وقت شروع ہوتا ہے۔ جبکہ خواہش دل میں پلتی ہے۔ ہم
گناہ کی تعریف اس طرح کر سکتے ہیں۔ کہ گناہ بُرائی کی خواہش کو
دل میں جگہ دینے کا نام ہے۔ پس جس وقت گناہ کا خیال دل میں
آئے۔ چاہئے۔ کہ اسی وقت اُس کے نکالنے کا مصمم ارادہ کیا جائے
اسی وقت اس کو دل سے خارج کرنا چاہئے۔ تاکہ اس کو ایک منٹ
تک بھی ٹھیرنے کی جگہ نہ ملے۔ توہمات فاسدہ کو کبھی دل میں جگہ
نہیں دینا چاہئے۔ کیونکہ اِن کو دل میں رکھنا ایسا ہی ہے۔ جیسے
سانپ کو آستین میں پالنا۔ پس ابتدا ہی میں گناہ پر حملہ کرنا چاہئے
اونٹ کو ناک رکھنے کی جگہ نہ دو ورنہ وہ اپنی گردن اور پھر اپنے جسم
کے لئے جگہ تیار کر لیگا۔ پہلی دفعہ کے جھوٹ۔ پہلی مرتبہ کی چوری
پہلی دفعہ خراب کتاب کے ہاتھ میں آنے۔ پہلے جامِ مے کو مُنہ سے
لگانے۔ پہلی مرتبہ ناجائز نظر دوڑانے کے وقت ہُشیار اور بیدار
ہونا چاہئے۔ کیونکہ ابتدا میں دل ملائم ہوتا ہے۔ اور اقدامِ گناہ سے ڈرتا
ہے۔ پر اگر اس وقت خبر نہ لی جائے تو عادی اور آخرکار نہایت
سخت بن جائیگا۔ اگر ہم یہ چاہیں کہ شیطان کو اُسی کے ہتھیاروں

سے شکست دیں۔ تو یہ ناممکن ہے۔ پس چاہئے۔ کہ ہم خدا کے ہتھیار
ہاں۔ خدا کے سارے ہتھیار پہنیں۔ اور اپنے خطرہ کو پہچان کر
ثابت قدمی سے اپنی جگہ پر قائم اور دُعا کرتے ہوئے ہشیار رہیں۔ تاکہ
آزمائشوں میں گرفتار نہ ہوں۔ ہم مخالف کے حملہ سے کبھی محفوظ
نہیں۔ لہٰذا اپنی طاقت پر بھروسہ کرنا ہمارے لئے مہلک ہے۔ ہماری
اُمید صرف اس بات میں ہے۔ کہ ہم ہر وقت اپنی آنکھیں خداوند
یسُوع مسیح پر لگائے رہیں۔ اور جب آزمائش سامنے آئے تو اس کی
حفاظت اور امداد پر تکیہ کرتے ہوئے اس سے التجا کریں۔ اور پکاریں
اے خُداوند مجھے سنبھال ورنہ میں تباہ ہُوا۔ دیکھو عبرانی ۴: ۱۵-۱۶
اے مسیحی رُوح پاک کی تلوار نکال اور شیطان کا مقابلہ کر۔ وہ تیرے
سامنے سے بھاگ نکلیگا۔ اور بعض اوقات بلکہ یہ کہنا چاہئے۔ کہ ہمیشہ
آزمایشوں سے بچنے کی سب سے اچھی اور محفوظ ترکیب یہ ہے۔ کہ
جب آزمائش نمودار ہو۔ اسی وقت سے اس سے دُور بھاگ جائیں۔

۱۶ و ۱۷۔ اے میرے پیارے بھائیو فریب نہ کھاؤ۔ ہر ایک اچھی
بخشش اور ہر ایک کامل انعام اوپر ہی سے ہے۔ اور نوروں کے
باپ کی طرف سے اُترتا ہے۔ جس میں بدلنے اور پھر جانیکا سایہ
بھی نہیں۔

مطلب رسول کا یہ ہے۔ کہ بدی کی آزمائش کو خدا کی طرف منسوب
کرنے کی غلطی میں نہ پھنسنا چاہئے۔ بلکہ یہ جاننا چاہئے۔ کہ خدا کیطرف

سے سب اچھی چیزیں آتی ہیں۔ ہر ایک اچھی نعمت تمام و کمال اُوپر سے آتی ہے۔ (دیکھو باب ۳ آیت ۱۵) بُرائی نیچے سے ہے۔ وہ دُنیا اور جسم اور شیطان سے ہے۔ مگر خدا ہم پر صرف وہی چیزیں نازل کرتا ہے جو اچھی ہیں۔ مثل سُورج کے کہ ہمیشہ اپنی صاف اور فیض معمور روشنی کو ہم پر نازل کرتا ہے۔ نوروں کا بانی۔ یعنی جو نوروں کا باپ ہے اور اجرامِ فلکی کا خالق اور اس روشنی کا منبع ہے۔ جو فضل اور جلال کے عالم کو منور کرتی ہے۔ خدا نور ہے۔ اور اس میں تاریکی کا نام و نشان نہیں۔ لہٰذا وہ گناہ کا جو تاریکی ہے بانی نہیں ہو سکتا۔ (آیت ۱۳) بدلنے یعنی وہ بے تبدیل ہے۔ اس میں روشنی اور تاریکی کے وہ تغیرات اور تبدلات نہیں پائے جاتے۔ جو اجرامِ فلکیہ میں پائے جاتے ہیں۔ اور پھر جانے کا سایہ نہیں۔ اس سے وہ سایہ مُراد ہے۔ جو اجرامِ فلکی کی حرکت اور رفتار سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً چاند گہن کہ زمین کے سایہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یا سورج گہن کہ چاند کے سایہ سے وقوع میں آتا ہے۔ پس خدا ان نورانی اجسام کی طرح تغیر و تبدیل کا محکوم نہیں۔ بلکہ ایسے انقلابات سے بالکل آزاد ہے۔ (ملاکی ۳:۶) وہ کل اور آج اور ہمیشہ یکساں ہے۔ اس کے نور میں کبھی زوال یا تنزل نہیں آتا۔ اس کی رحمت اور فضل کا چشمہ برابر جاری رہتا ہے۔ اگرچہ اس کی بخشش کے ظہور مختلف مدارج اور مراتب کے ہوتے ہیں۔ تاہم وہ سب کے ساتھ بھلا اور سب پر مہربان ہے۔ ایسی آیت سے

ذیل کی مفید باتیں اخذ ہو سکتی ہیں۔ (۱) جس طرح نظامِ شمسی کے مرکز سورج سے روشنی آتی ہے۔ اسی طرح ہر طرح کی نیکی جو تواریخ انسانی میں پائی جاتی ہے۔ خدا سے آتی ہے۔ (۲) خدا کی بھلائی یا رحمت مختلف صورتوں اور متفرق درجوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس کی یہ بخششیں مادی و دُنیاوی۔ روحانی اور ابدی ہر دو قسم کی ہوتی ہیں۔ (۳) الٰہی رحمت تبدیل و تغیّر سے بری ہے۔ ہم بدلتے رہتے ہیں پر وہ کبھی نہیں بدلتا۔ وہ تبدلات کی قیود سے آزاد ہے۔ اگر بعض اوقات بادل سامنے آکر اس کی سچائی اور بھلائی کو ہماری نظروں سے چھپا دیں تو وہ دوسری بات ہے۔ ورنہ اس کی سچائی اور بھلائی میں کسی طرح کا فرق نہیں آتا۔

۱۸۔ اس نے اپنے ارادہ کے مطابق ہمیں سچائی کے کلام سے پیدا کیا تاکہ ہم اس کی مخلوقوں میں گویا پہلا پھل ٹھہریں۔

خدا کی اچھی بخششوں کی سب سے بڑی نظیر ایماندار کی نئی پیدائش ہے۔ (۱۔یوحنا ۱:۱۳) اپنے نیک ارادے سے یعنی اپنی مرضی سے اور اپنی رضا سے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کی ذات پاک کا خاصہ ہی نیکی کرنا ہے۔ بُرائی اس کی ذات میں نہیں۔ پیدا کیا۔ یعنی رُوحانی طور پر (۱۔پطرس ۱:۳) مقابلہ اس میں گناہ سے ہے۔ جو موت کو پیدا کرتا ہے۔ (آیت ۱۵) وہ جو آسمانی نور کا باپ ہے وہی ہمارا باپ بھی ہے۔ اور جہاں نور ہے۔ وہاں زندگی کا ظہور

بھی لازمی ہے۔ (آیت ۱۸۔ نیز دیکھو افسی ۲: ۱۰) **سچائی کے کلام سے**۔ انجیل وہ آلہ یا وسیلہ ہے۔ جسے روح پاک نئی پیدائش کے مؤثر کام میں استعمال کرتا ہے۔ یہی وہ آلہ ہے۔ جس سے روح پاک انسانی دل کو روشن اور قائل کرتا ہے۔ اور اسکی پہلی راہ و روش سے پھیر دیتا ہے۔ **گویا پہلے پھل ٹھہیرے**۔ ہمارا خداوند یسوع مسیح تو اس لئے پہلا پھل تھا کہ وہ مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ (۱ کرنتھی ۱۵: ۲۰ و ۲۳) لیکن ایماندار نئی پیدائش کے اعتبار سے پہلا پھل کہلاتے ہیں۔ یعنی وہ خدا کی مخلوقات میں پہلے ہیں۔ جو نئی پیدایش حاصل کرتے اور اس بات کا گویا بیعانہ ٹھہرتے ہیں۔ کہ باقی خلقت بھی نئی پیدایش حاصل کریگی۔ (رومی ۸: ۱۹ و ۲۳) جو لوگ نئی پیدایش پا چکے ہیں وہ خلقت کے اعلےٰ اور شریف حصہ میں شامل ہیں۔ اور جس طرح وہ "پہلے پھل" جن کا پھل موسوی شریعت میں آتا ہے۔ باقی پھلوں کو پاک کرتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی خلقت کے باقی ماندہ حصّہ کو پاک کرنے والے ہیں۔ پس وہ جو اپنے تئیں مسیحی کہتے ہیں۔ چاہیئے۔ کہ وہ پاک اور بے عیب مخصوص اور دُنیاوی آلایش سے بری ہوں۔ لازم ہے۔ کہ وہ دُنیا میں ایسی روشنی سے چمکیں جو بے زوال اور صاف اور قائم دائم ہو۔ اسی امر میں اِن کو اس کی مانند بننا چاہیے جس نے ان کو از سرِ نو پیدا کیا ہے۔ اس آیت سے ہم مفصلہ ذیل باتیں سیکھ سکتے ہیں۔ (۱) سچا مسیحی ایک نیا مخلوق ہے۔ (۲) اس

اچھے کام (نئی پیدائش) کا سبب ہم میں نہیں پایا جاتا۔ اس کا سبب ہم میں نہیں پایا جاتا۔ اس کا سبب خدا کی مرضی ہے۔ یعنی ہماری حکمت اور قدرت اور نیکی سے یہ برکت حاصل نہیں ہوتی۔ اس کا منبع خدا کا فضل اور اس کی نیک مرضی ہے۔ (۳) وہ وسیلہ جس سے یہ نئی پیدائش وجود میں آتی ہے۔ سچائی کا کلام اِن میں اِنجیل مُقدس ہے۔ (۴) مقصد ہماری نئی پیدائش کا یہ ہے۔ کہ ہم خدا کی ایسی ملکیت بن جائیں جو دُنیا سے بالکل علیحدہ اور خداوند کے لئے مخصوص ہو۔

۱۹۔ اس لئے اے میرے پیارے بھائیو ہر ایک آدمی سُننے میں تیز اور بولنے میں دھیرا اور غُصّہ کرنے میں دھیما ہووے۔

ترجمہ اس آیت کا اس طرح ہونا چاہیئے۔ "اے میرے پیارے بھائیو تم تو جانتے ہی ہو تاہم مَیں پھر کہتا ہوں۔ کہ ہر ایک آدمی سُننے میں تیز اور بول اُٹھنے میں دھیرا وغیرہ" مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تم اِن باتوں کا کافی علم رکھتے ہو۔ تاہم مَیں آگاہ کرتا ہوں۔ کہ بہت سی ایسی خطائیں ہیں جن میں تم باسانی گرفتار ہو سکتے ہو۔ پس ان سے ہشیار رہو مثلاً تندی اور زبان درازی۔ کڑکڑانے اور حسد رکھنے والے مزاج سے چوکس رہنا چاہیئے۔ **سُننے میں تیز**۔ یعنی ایسا مزاج رکھو جو حلیم اور سیکھنے والا ہو۔ (اچھی طرح سُننے کا طریقہ دوسرے باب کی ۲۱: ۲۷ آیات میں درج ہے پڑھنا چاہیئے۔) ہماری دُعا یہ ہونی چاہیئے۔ "اے خدا تُو مجھے سموئیل کے کان عطا کر۔ وہ کان جو تیری ہر بات کی آواز سُننے کو تیار

اور کشادہ ہوں۔ **بول اُٹھنے میں دھیرا**۔ یعنی بے جا تکلم۔ اور تکبر اور غرور کے ساتھ بولنے سے اجتناب کرے۔ (دیکھو تیسرا باب اور باب اوّل) زبان درازی یہودیوں کا ایک خاص عیب تھا۔ پس جو کچھ ہماری زندگی میں خدا کی طرف سے یا لوگوں کے سلوک سے وارد ہوتا ہے۔ ہمیں اس کی نسبت رائے یا فتوے دینے میں جلدی نہ کرنی چاہیئے۔ یہودی ربیّوں کا قول ہے۔ کہ "ہم کو کان تو دو ملے ہیں۔ لیکن زبان ایک ہی ملی ہے۔ کان آزاد ہیں مگر زبان دانتوں کی دیوار سے بند اور پوشیدہ کی گئی ہے۔ بہت لوگ بولتے وقت بے پرواہی اور جلدبازی کو کام میں لاتے ہیں۔ لیکن ہم کو اپنی گفتگو کی نسبت بہت ہشیار رہنا چاہیئے۔ کیونکہ ناجائز کلمات کا بے موقعہ زبان سے نکل جانا سراسر ممکن ہے۔ پہلے بات کو تولو۔ اور پھر منہ سے بولو۔ ہم کو اس اصول کی تعلیم کرنی چاہیئے۔ دیکھو باب سوئم اور آیت دوئم نیز امثال ۱۰: ۱۹) **غصہ کرنے میں دھیما**۔ یعنی بحث مباحثہ کے وقت جلد گرم نہ ہونا چاہیئے۔ یہ دوسرا عیب ہے۔ جو یہودیوں میں خاص تھا۔ مناسب نہیں کہ ہم خفگی یا عناد کے جلد محکوم ہو جائیں۔ بلکہ چاہیئے۔ کہ مصائب اور تکالیف کے وقت شکایت اور کڑکڑاہٹ میں جلدی نہ کریں۔ کیونکہ تند مزاجی بات کے سننے اور اُس کا صحیح تصفیہ کرنے میں رخنہ ڈالتی ہے۔ دیکھو نعمان کا حال ۲۔ سلاطین ۵: ۱۲ اور لوقا ۴: ۲۸) غصہ ہماری سمجھ کو ایسا تاریک کر دیتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ ایسے موقعے

پر کیا کرنا بہتر اور مفید ہو گا۔ بُرا مزاج خدا کے سامنے نہایت قبیح اور تنفر انگیز ہے۔ اور مسیح کے مزاج کے بالکل خلاف ہے۔ ہمارا آسمانی باپ "غصہ کرنے میں دھیما ہے"۔ اور ہمارے خداوند نے "اپنا منہ نہ کھولا"۔ لیکن ہم بہت جلد خفا ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ غصہ ہماری خصلت کی خوبی میں تنزل پیدا کرتا ہے۔ تند مزاجی اور دینداری دونو ایک جگہ نہیں رہ سکتیں۔ خود کو قابو میں رکھنا مسیحی خصلت کے اجزاء میں سے ایک نہایت خوبصورت جزو ہے۔ (امثال ۱۶: ۳۲-) اور رُوح کی علو ہمتی کا ایک بڑا بھاری نشان ہے۔ برعکس اس کے بدمزاجی کمینگی پر دلالت کرتی ہے۔ اور بہت نامرغوب عادت ہے۔ پس ہمیں اپنی طبیعت پر ملائم مزاجی کا روغن اس طرح ملنا چاہیئے جس طرح سخت قبضوں یا پہیوں پر تیل ملا کرتے ہیں۔

آیات ۱۹-۲۱ تک میں چار ضروری باتوں کے متعلق الٰہی قوانین اور ہدایات مندرج ہیں۔ (۱) کان کے متعلق "سننے میں تیز ہوں"۔ ایسے قابو میں ہوں۔ کہ بعض باتوں کی نسبت تو بند ہوں۔ مگر اسی وقت پاکیزگی اور محبت اور سچائی کے کلام کے لیئے کھلے ہوں۔ (۲) زبان کے متعلق "بول اُٹھنے میں دھیرا" اسی طرح زبان بھی بس میں ہو۔ (۳) مزاج کی نسبت "غصہ کرنے میں دھیما ہو"۔ مزاج بھی حیطۂ اختیار سے باہر نہ ہو۔ (۴) زندگی کی نسبت۔ "فضلات پھینک کر" زندگی بھی قابو میں رہے۔ اس میں پرہیزگاری۔ اعتدال اور خاکساری کی صفات

نمایاں ہوں۔

۲۰- کیونکہ انسان کا غصہ خدا کی راستبازی کے کام کو انجام نہیں دیتا۔

سچے مذہب کی ترقی شور و غل یا زبردستی سے نہیں ہوتی۔ مذہبی بحث و مباحثہ اور انجیلی منادی میں ایسے جوش کو جس میں غصہ ملا ہُوا ہو۔ عمل میں لانا اور پھر اسے خدا کی عزت کے لئے غیرتمندی شمار کرنا خدا کی نظر میں راستبازی کی دلیل نہیں۔ سچی راستبازی کے بیج غصہ اور غضب سے نہیں۔ بلکہ "صلح کے ساتھ بوئے جاتے ہیں۔" (باب تیسرا آیت ۱۸) "خاموشی اور توکل میں تمہاری قوت ہے۔" (دیکھو یسعیاہ ۳۰: ۱۵ و ۳۲: ۱۷) ہندوستانی مسیحیوں اور خصوصاً کلام کے مناّدوں کے حق میں یہ خیالات گراں قیمت اور بیش بہا ہیں۔

۲۱- اس لئے ساری گندگی اور بدی کے فضلات پھینک کر اس کلام کو جو پیوند ہوتا ہے۔ اور تمہاری جان بچا سکتا ہے۔ فروتنی سے قبول کرو۔

پھینک کر۔ ناپاک چیتھڑوں کی مانند ہمیشہ کے لئے پھینک۔ (دیکھو یشوع کا حال زکریاہ ۳: ۱- ۵- نیز مکاشفات ۷: ۱۴) **گندگی۔** اس سے وہ شہوانی خواہشات اور جذبات مراد ہیں۔ جو رُوح کو ناپاک کرتے ہیں۔ لیکن پاکیزگی کلام کے سُننے سے پیدا ہوتی ہے۔ (دیو مُتی ۱۵: ۱۸) **بدی کے فضلات۔** اس سے حسد اور بدی کے خیالات کی وہ صورت مُراد ہے۔ جو دوسروں کے ساتھ کینہ رکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ (دیکھو افسی ۴: ۳۱۔ اور کلسی ۳: ۸) فضول اور لایعنی گفتگو کی ممانعت متی کے پانچویں باب کی ۳۷ آیت میں پائی جاتی ہے۔ **فروتنی سے۔** یہ غصہ کی ضد ہے مطلب ہے بچوں کی طرح۔ بچوں کی سی طبیعت سے۔ حلیم اور صابر مزاج سے (زبور ۲۵: ۹۔ یسعیاہ ۶۶: ۲۔ متی ۵: ۵ و ۱۱: ۲۸- ۳۰) **کلام جو پیوند ہوتا ہے۔** کلام جو رُوح پاک وسیلہ سے ایماندار میں ایک زندہ رشتہ کے ساتھ پیوند ہوتا ہے۔ اور بعد میں اچھے پھل لاتا ہے۔ **بچا سکتا ہے۔** اِن الفاظ سے ہمیں یہ تحریک دی جاتی ہے۔ کہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہو کر اس کلام کی طرف متوجہ ہوں۔ جو رُوح پاک کے وسیلہ سے ہم پر مذکورۂ بالا اثر پیدا کر سکتا ہے۔ **تمہاری جان۔** ہماری ہستی کا مرکز یعنے جوہر وہ بیش قیمت غیر فانی موتی جو جسم کے فانی صندوقچہ میں نہاں ہے۔

۲۲- لیکن تم کلام پر عمل کرنے والے ہو۔ نہ کہ آپ کو فریب دیکر صرف سُننے والے۔

علاقہ اس آیت کا اُنیسویں آیت کے الفاظ "سُننے میں تیز ہو" کے ساتھ ہے۔ رسول اُن کو بتاتا ہے۔ کہ تم نہ صرف سُننے میں تیز اور سُنی ہوئی بات کو جو بہت اچھی بات ہے۔ پسند کر کے چپ ہو جانے والے ہو۔ بلکہ اسے عمل میں لانے والے بنو۔ یعنی کلام کو بلاناغہ اور باقاعدہ عمل میں لاؤ۔ حتےٰ کہ اس کی اطاعت و تعمیل تمہاری ایک

معمولی بات بن جاتی - یہاں بھی پہاڑی وعظ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے - (متی ۷: ۲۱ و ۲۶) آپ کو فریب دے کر - یعنی ایسی ایسی غلط اور بے بنیاد باتوں کو سوچکر کہ سُننا ہی کافی ہے - اور بس - آپ کو فریب نہ دو - اکثر اشخاص اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں - وہ خیال کرتے ہیں - کہ کلام کو سُننا اور پھر اس کی نسبت یہ کہنا - کہ جو باتیں ہمنے سُنیں وہ بہت اچھی تھیں - دیندار بننے کے مساوی ہے سب سے زیادہ بدتر لوگ اسی قماش کے ہوتے ہیں - کہ وہ سُنتے بڑے شوق سے مگر کرتے کچھ بھی نہیں -

۲۳ - کیونکہ جو کوئی کلام کا سُننے والا ہو اور اس پر عمل کرنے والا نہیں - وہ اس آدمی کی مانند ہے جو اپنا مُنہ آئینہ میں دیکھتا -

جس فریب خوردگی کا ذکر آیت ۲۲ میں درج ہے - اسکو آیت ۲۳ میں ایک برجستہ تمثیل سے واضح کر دیا ہے - اپنا منہ - اصل یونانی کا مطلب ہے - "وہ مُنہ جس کے ساتھ وہ پیدا ہوا ہے - مُراد یہ ہے - کہ جس طرح آدمی اپنے چہرے کو آئینہ میں دیکھتا ہے - اسی طرح سُننے والا اپنے اخلاقی چہرہ کو خدا کے کلام کے آئینہ میں دیکھتا ہے - جہاں انسانی طبیعت کا عکس اس کے تمام عیوب و نقائص سمیت تصویر کی طرح نظر آتا ہے - یہ آئینہ ہمارے اعتبار و اعتماد کے لایق ہے - وہ کسی طرح ہم کو بہلاتا اور پھسلاتا نہیں بلکہ ہمارے داغوں اور عیبوں اور بدصورتی کو ہم پر ظاہر کر دیتا ہے -

۲۴ - اِس لئے کہ اُس نے آپ کو دیکھا اور چلا گیا - اور فوراً بھُول گیا کہ مَیں کیسا تھا -

یونانی میں فعل حال آیا ہے - یعنی "وہ آپ کو دیکھتا ہے اور چلا جاتا ہے - وغیرہ" مطلب یہ کہ وہ اپنی صورت کو دیکھکر حقیقت حال سے واقف اور اپنی اصلی حالت سے قائل ہو جاتا ہے - مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد اپنی توجہ اور اور طرف لگا دیتا ہے - وہ اپنی گنہگاری اور بدحالی اور خطرہ کو دیکھ لیتا ہے - لیکن چند مدت کے بعد اپنے خیالات کو ادھر اُدھر کی باتوں میں لگاکر ادھر سے اپنا دھیان ہٹا لیتا ہے - اور اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے - کہ جو دلچسپی اور توجہ کلام کی نسبت رکھتا تھا - کھو بیٹھتا اور اس کے عوض میں بے پرواہی اور خاموشی آجاتی ہے - سو وہ اپنے چہرہ کے حال و خط کو جو اُس نے اس آئینہ میں دیکھے تھے - بھُول جاتا ہے - لہٰذا اس کی خصلت میں اصلاح اور زندگی میں کسی طرح کی برکت نہیں پیدا ہوتی - یہودیوں میں ایک مثل مروّج تھی - جس کا یہ مطلب تھا - کہ "وہ جو شریعت کو سُنتا اور اس پر عمل نہیں کرتا - اس آدمی کی مانند ہے جو بوتا اور ہل جوتتا ہے پر کاٹتا نہیں" وہ لوگ جو سُنتے مگر عملی فایدہ نہیں اُٹھاتے - وہ کئی قسم کے ہوتے ہیں - (۱) وہ جو بے توجہ ہوتے ہیں وہ صرف اس لئے گرجا میں آتے کہ اُن کی عادت ہے - ان کے قالب البتہ وہاں ہوتے ہیں - مگر دل کسی اور جگہ ہوتا ہے -

(۲) اور وہ شائقین جن کے کان فصاحت پر مائل ہوتے ہیں جو صرف دلچسپ باتیں سننے اور فصیح کلام واعظوں کی فصاحت کا حظ اٹھانے جاتے ہیں۔ (۳) وہ لوگ جو وعظ کی نکتہ چینی اور حرف گیری کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ (۴) پرستارانِ فیشن جو اپنا بانکپن دکھانے آتے ہیں۔ یا اس لئے کہ موجودہ فیشن کے مطابق عبادت گاہوں میں جانا باعث اعزاز تصور کرتے ہیں۔ (۵) وہ جو حسن اور ارادت اور قوتِ تصفیہ سے بے بہرہ ہیں۔ وہ جو کچھ سنتے اس پر عمل کرنے کی بابت کچھ سوچ بچار نہیں کرتے وہ چونے اور ٹپکنے والے برتنوں کی مانند ہیں۔ کیونکہ بیشقیمت سچائیوں کا پانی تھوڑی دیر میں ان سے بہہ نکلتا ہے۔

۲۵- پر جو آزادگی کی کامل شریعت پر ٹکٹکی باندھ کر اس کے غور میں رہتا ہے۔ وہ سُن کر بھولنے والا نہیں۔ بلکہ عمل کرنے والا ہوکے اپنے عمل میں مُبارک ہوگا۔

غور میں رہتا ہے۔ گہری توجہ۔ عمیق نظر اور بڑی دلچسپی اور سرگرمی سے سوچتا ہے۔ لفظی ترجمہ ہے۔ " جُھک کر دیکھتا ہے"۔ مثل اس آدمی کے جو اپنی شکل کو فرش میں گڑے ہوئے آئینہ میں دیکھتا ہے۔ (زمانہ قدیم میں آئینے گھروں کے فرش میں لگائے جاتے تھے۔ آزادگی کی کامل شریعت۔ مراد انجیلی شریعت سے ہے۔ جو ہماری زندگی کے لئے دستورالعمل ہے۔ یہ شریعت اول اپنی ذات ہی میں کامل ہے۔ اور اس اعتبار سے بھی کامل ہے۔ کہ

ہمارے ہر طرح کے حالات سے پوری پوری مناسبت اور مطابقت رکھتی ہے۔ اور اِن سب کو جو اس کی تعمیل کرتے ہیں کامل بناتی ہے اس کا خلاصہ مطلب پہاڑی وعظ میں پایا جاتا ہے۔ اور یہ آزادگی کی شریعت اس واسطے کہلاتی ہے۔ کہ شریعت کے حرف کی غلامی سے آزاد کرتی ہے۔ اور چونکہ یہ شریعت جبر اور تعدی کی نہیں بلکہ محبت کی شریعت ہے۔ اس لئے وہ مسیحیوں کے سامنے فرائض وخدمات کا ایک ایسا اعلےٰ اندازہ رکھتی جو پرانی شریعت سے بہت اُونچا اور بلند ہے۔

پس وہ (مسیحی) ڈر کے مارے فرمانبرداری نہیں کرتے۔ بلکہ محبت کی راہ سے اس شریعت کے قوانین وفرائض بجالاتے ہیں۔ اصول محبت کی ہدایت اور تحریک سے وہ شریعت کے اصلی منشاء کی تفسیر وتاویل اپنی سمجھ اور ضمیر کی روشنی کے مطابق کرتے ہیں۔ اور یوں گناہ کے جوئے سے آزاد ہوتے ہیں۔ اور اس شریعت کی فرمانبرداری خودبخود بڑی خوشی سے کرتے ہیں۔ اور اس طرح یہ شریعت پوری کی جاتی ہے۔ اور بیکار نہیں ٹھیرتی۔ (دیکھو باب دوسرا اور آیات ۵ و ۱۰ و ۱۲۔ نیز یُوحنا ۱۴: ۱۴- ۱۵ و یُوحنا ۸: ۳۱- ۳۶- ۱قرنتی ۷: ۲۲ و گلاتی ۵: ۱ و ۱۳- ۱پطرس ۲: ۱۶) ٹکٹکی باندھ کے یعنی متواتر دیکھتا رہتا ہے۔ اپنی بے توجہی سے بھول نہیں جاتا۔ بلکہ اپنی صورت خدا کے کلام کے آئینہ میں ہمیشہ دیکھتا رہتا ہے اور اس

کے احکام کی تعلقاتِ زندگی میں برابر تعمیل کرتا رہتا ہے۔ کلام کا سُننا اور پڑھنا ہی کافی نہیں۔ اس کے مطالعہ میں ہمیں مگن رہنا چاہیئے (امثال ۷: ۱-۳) عمل ہی میں مبارک ہوگا۔ اس شریعت کو عمل میں لانا ہی بذات خود برکت اور خوشی کی طاقت ہے (زبور ۱۹: ۱۱) فرمانبرداری فی نفسہٖ برکتوں کا باعث اور سرچشمہ ہے۔ اور فرمانبردار کو یہی خوشی اور برکت کی حالت تک پہنچاتی ہے۔ (زبور ۱: ۱-۳۔ ۱۔ سلاطین ۹: ۱-۹۔ یُوحنا ۱۳: ۱۷)

۲۶ و ۲۷۔ اگر کوئی تمہارے بیچ آپ کو دیندار سمجھے۔ اور اپنی زبان کو لگام نہ دے۔ بلکہ اپنے دل کو فریب دے۔ تو اسکی دینداری باطل ہے۔ وہ دینداری جو خدا اور باپ کے آگے پاک اور بےعیب ہے۔ سو یہی ہے۔ کہ یتیموں اور بیواؤں کی مصیبت کے وقت ان کی خبرگیری کرنی اور آپ کو دُنیا سے بے داغ بچا رکھنا۔

اِن آیات میں عمل اور زبانی اقرار کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ یہاں الفاظ دینداری اور دین سے ظاہری رسمیات مُراد ہے۔ اِن آیتوں کے مطلب کو دوسرے لفظوں میں یوں بیان کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص تم میں سے یہ خیال کرتا ہے۔ کہ میں دینی رسومات پورے پورے طور پر ادا کرتا ہوں۔ اس لئے میَں سچا دیندار ہوں تو اسے یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ سچی عبادت ریت و رسم کی بجا آوری پر اسقدر منحصر نہیں جس قدر رحم کے کاموں کو انجام دینے اور عملی دینداری پر موقوف

ہے (میکاہ ۶: ۷ و ۸) پس یاد رکھو کہ یتیموں اور بیواؤں کو انکی مصیبت اور تکلیف کے عالم میں ملنا۔ اور ان کی خبر لینا۔ اور اپنے آپکو دُنیا میں بیداغ رکھنا۔ (متی ۲۳: ۲۳) وغیرہ وہ اعمال ہیں۔ جو سچی دینداری کے نشان ہیں۔ رسول کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مذہب کا لب لباب یا مجموعہ یہی فرائض ہیں۔ اور بس۔ اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ وہ یہ دکھاتا ہے۔ کہ جس طرح شرعی رسومات حقیقی اخلاق کی علامتیں تھیں۔ اسی طرح رحم اور پاکیزگی اس بات کے نشانات ہیں۔ کہ ہم مسیح پر ایمان رکھتے ہیں۔ سچی دینداری مرکب ہے۔ اول عملی محبّت یا حُبِ انسانی (فلن تھراپی سے) (۲) شخصی پاکیزگی سے۔ اپنی زبان کو لگام نہ دے۔ اس استعارہ سے رسول یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ جس طرح لگام گھوڑے کو چلاتا۔ موڑتا۔ اور ٹھیراتا ہے۔ اسی طرح گویائی کے وقت زبان کی رہنمائی کرنی چاہیئے۔ اور اس پر قابو پانا اور اسکو روکنا چاہیئے۔ احتیاط سے گفتگو کرنا۔ لفاظی اور لسانی سے بدرجہا بہتر ہے۔ (باب ۳: ۲-۳۔ نیز زبور ۳۹ اور زبور ۱۴۱: ۳) رسول اِس گناہ کا خاصکر کے اس واسطے ذکر کرتا ہے۔ کہ بہت سے لوگ جو بڑے بڑے اور خراب گناہوں سے آزاد اور بظاہر متقی اور پرہیزگار نظر آتے ہیں۔ اس بد زبانی اور بدگوئی کے گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس بدی میں ذیل کی باتیں شامل ہیں۔ (۱) دوسروں سے کینہ رکھنا۔ اور ان کی چغلی کھانا (۲) گفتگو

ہیں عجلت اور جلد بازی کو کام میں لانا۔ (۳) دروغگوئی۔ (۴) لاف گذاف غپ شپ (۵) یاوہ گوئی۔ بے لگام زبان کلیسیا اور جماعت کے درمیان بہت خرابیاں برپا کرتی ہے۔ جو آدمی ایسی زبان رکھتا ہے وہ اگر آپ اپنے کو دیندار سمجھے تو سمجھے مگر در اصل وہ فریب خوردہ ہے۔ اِسکا مذہب بے بُنیاد اور بے حقیقت ہے۔ بد گوئی کرنا۔ دشنام دینا۔ خراب افواہیں اُٹھانا۔ غیر قوموں کے کام ہیں۔ لہٰذا ایسی بُرائیوں کی مخالفت پر کمربستہ رہنا چاہیئے۔ اور ان کو کبھی مسیحی جماعت کے حدود کے اندر گھسنے نہ دینا چاہیئے۔ کسی اہل بصیرت نے خوب کہا ہے "احمق آدمی کا دل اس کی زبان میں ہے۔ لیکن دانا آدمی کی زبان اسکے دل میں ہے" ایک یونانی فیلسوف کا قول ہے۔ کہ "جو زخم زبان لگاتی ہے۔ وہ تلوار کے زخم سے بھی کاری ہوتا ہے۔ کیونکہ آخرالذکر کا اثر صرف جسم پر پڑتا ہے۔ مگر اول الذکر کا رُوح پر" دینداری۔ جو پاک اور بے عیب ہے۔ یعنی وہ دینداری جو باپ کی نظر میں پسندیدہ ہے۔ سو خالص اور ملونی سے معرا اور ہر قسم کی خودغرضی اور ریا کی آلائش سے پاک ہوتی ہے۔ خدا اور باپ کے آگے لوگ مذہب کی نسبت خواہ کچھ ہی کہیں۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ خدا ظاہری رسمیات اور دکھاوے کی عبادت اور بندگی کی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ وہ یہ چاہتا ہے۔ کہ ہم ایسے رحمدل اور پاک بنیں جیسا وہ خود ہے۔ یتیموں اور بیواؤں ... خبرگیری۔ یعنی انکے ساتھ جو

بے آسرا اور بے حفاظت ہیں۔ اور جنکی دستگیری دُنیادار نہیں کرتے مہربانی اور ہمدردی سے پیش آنا چاہیئے۔ اور آپکو دُنیا سے بیداغ بچا رکھنا۔ بذریعہ دُعا اور مناجات کے۔ دنیا سے بیداغ مُراد ہے۔ دُنیا میں ہونا مگر دُنیا کا نہ ہونا۔ یعنی نہ دُنیا سے مُتاثر ہونا۔ اور نہ اس کے مطابق بننا۔ لفظ دُنیا سے مُراد ہے۔ دُنیا کی وہ حالت جس میں وہ خُدا سے دُور اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئی ہے۔ دُنیا ناپاک ہو گئی ہے۔ اور ہم کو یہ حکم ملا ہے۔ "کسی ناپاک چیز کو مت چھوؤ"۔ یُوحنّا رسُول ان تمام چیزوں کا جو دُنیا میں پائی جاتی ہیں۔ اور جن سے ہمیں پرہیز کرنا چاہیئے۔ تین حصّوں میں تقسیم کرتا ہے۔ (۱) جسم کی شہوت۔ (۲) آنکھ کی بُری خواہش (۳) زندگی کا جھُوٹا فخر (۱-یوحنا ۲: ۱۶) صرف خدا ہی کا فضل مسیحی کو دُنیا داری سے جو دینداری کی سخت دُشمن ہے بچا سکتا ہے۔ پیارے ناظرین ہم دُنیا میں نُور کی مانند ہیں۔ پس مناسب نہیں کہ ہم ارد گرد کے اندھیرے سے مشابہت پیدا کریں۔ بلکہ برعکس اس کے یہ لازم ہے۔ کہ ہم اسے دور کریں۔ ہم دُنیا کے نمک ہیں۔ لہٰذا روا نہیں کہ ہم ارد گرد کی خرابیوں سے بگڑ جائیں۔ بلکہ برخلاف اس کے یہ چاہیئے۔ کہ ہم ان کے اثر کو زائل کریں۔ اور اس کی مخالفت کرتے رہیں۔ سچے اور حقیقی مذہب کا لب لباب مفصلہ ذیل باتوں میں پایا جاتا ہے (۱) سچا مذہب دُنیا کی تدبیروں اور دُنیا کی گندگی سے علیحدہ رہتا ہے۔ (۲) انسان کی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ خدا کی خوشی اور رضا کا جویاں اور خواہاں

ہوتا ہے (۳) اس کا یہی خاصہ ہے۔ کہ دکھیوں پر ترس کھائے۔ اور ان کے ساتھ رحم سے پیش آئے۔ (۴) وہ دُنیا داری کے داغ سے پاک وصاف ہوتا ہے۔

دوسرا باب

آیات ۱-۱۳۔ رسُول نے اِن آیات میں آزادگی کی کامل یعنی انجیلی شریعت کی۔ جس کے مطابق مسیحیوں کا ایمان اور عمل ہونا چاہیئے۔ توضیح وتشریح کی ہے۔ اور بذریعہ ایک گناہ کی مثال کے جو اس شریعت کے برخلاف ہے اس امر کو روشن کیا ہے۔ کہ طرفداری کا گُناہ فتوے کے لایق ہے۔ کیونکہ وہ انجیلی قانون کے جو یہ تلقین کرتا ہے۔ کہ تم اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کرو۔ جیسا آپکو۔ اور نیز اس نئے حکم کے جو مسیح نے دیا۔ کہ تم ایک دوسرے کو ایسا پیار کرو جیسا مَیں نے تم کو کیا۔ برخلاف ہے۔

۱۔ اے میرے بھائیو۔ ہمارے خداوند یسُوع مسیح کا جو ذوالجلال ہے۔ ایمان ظاہر پرستی کے ساتھ مت رکھو۔

یسُوع مسیح . . . . کا ایمان ۔ یعنی وہ جو مسیحی مزاج سے ظاہر ہوتا ہے۔ **ذوالجلال** ۔ یہ خطاب ۱۔ قرنتی ۲: ۸ میں بھی پایا جاتا ہے۔ اور مُراد یہ ہے کہ مسیحی خواہ امیر ہوں یا غریب سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور اپنا اپنا جلال مسیح سے پاتے ہیں۔ اور کسی خارجی اسباب ووسائل سے یہ جلال اِن کو حاصل نہیں ہوتا۔ سو جیسا امیر کا حصہ مسیح

کے جلال میں ہے۔ ویسا ہی غریب کا بھی ہے۔ لہٰذا غریب کی ویسی توقیر کرنی چاہیئے۔ جیسی امیر کی کی جاتی ہے۔ خدائے ذوالجلال کی نظر میں وہ اندازے اور رائیں جو ہم لوگوں کی عزت اور مرتبہ کی نسبت قائم کرتے ہیں۔ پست اور خفیف اور بیہودہ سے معلوم ہوتے ہوں گے۔

۲۔ اس لئے کہ اگر کوئی سونے کی انگوٹھی اور براق پوشاک پہن کر تمہاری جماعت میں آوے۔ اور ایک غریب بھی میلے کچیلے کپڑے پہنے آوے۔

جماعت ۔ اس لفظ سے مُراد عبادت خانہ ہے۔ عبرانی مسیحیوں میں ابھی تک یہودی دستورات مروج تھے۔ یہودی عبادتخانوں میں لوگ اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق بیٹھا کرتے تھے۔ اور ہم پیشہ لوگ ایک جگہ اکٹھے بیٹھتے تھے۔ رسول یہ بات دیکھکر کہ مسیحی عبادت میں بھی یہ رسم دخل پاتی جاتی ہے۔ لوگوں کو ملامت کرتا ہے۔ ابتدا میں مسیحی عبادتگاہیں یہودی عبادتخانوں کی نقل پر بنائی جاتی تھیں۔ اور دونوں میں یہ چیزیں پائی جاتی تھیں۔ ایک میز۔ ایک ڈسک اور ایک پلیٹ۔ اس سے ظاہر ہے کہ گرجا کو ہیکل اور خادم الدین کو کاہن سمجھنا غلطی ہے۔ وہ جو عبادت خانہ کا منتظم تھا۔ کلیسیا کا پاسبان یا بشپ بن گیا۔ ذیل کے الفاظ ودستورات جو انتظام کلیسیا کے میں ایک خاص معنے رکھتے ہیں یہودی عبادتخانوں سے ماخوذ ہیں مثلاً

"پرسبٹری" (لوقا ۲۲ : ۲۶- مقابلہ کرو ا- تمطاوس ۴: ۱۴ سے) "فرشتہ" (مکاشفات ۱: ۲۰ و ۲: ۱) "چوپان" یا "پاسبان" (افسی ۴: ۱۱- اور پہلا پطرس ۵: ۲) "انتظامِ عدالت" (متی ۱۸: ۱۷) "خیرات" یا "چندہ" (اقرنتی ۱۶: ۲) "جماعت سے خارج کرنا" (اکس کمیونی کیش) (اقرنتی ۵: ۴- "محبت کی ضیافت (لوفیسٹ) جو بروز سنیچر کہ یہودیوں کا سبت تھا- منعقد ہُوا کرتی تھی- مگر بعد میں عشائے ربانی کو جو پہلے اس رسم کے ساتھ ادا کی جاتی تھی- جُدا کر دیا- اور بجائے سنیچر کے اتوار کی صبح کو اس ضابطہ کو ماننے لگے- اور خداوند کا دن کہنے لگے۔ سونے کی انگوٹھی- امیروں کے درمیان بہت بہت سی انگوٹھیاں پہننے کا دستور تھا- براق لباس- چمکیلا اور فاخرہ لباس- جس کی خوبصورتی کو چکن وغیرہ کے سامان زیادہ رونق دیتے تھے میلے کچیلے کپڑے- پھٹے پُرانے- کپڑے- چیتھڑے۔

۳- اور تم اُس ستھری پوشاک والے کی طرف متوجہ ہو کر اُس سے کہو- آپ یہاں اچھی طرح سے بیٹھئے- اور غریب سے کہو- وہاں کھڑا رہ- یا یہاں میرے پاؤں کی چوکی تلے بیٹھ۔

اس کی طرف متوجہ ہو کر- یعنی امیر کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہو- کہ یہاں بیٹھ- حالانکہ نہیں جانتے ہو- کہ کون ہے- ممکن ہے کہ وہ غیر قوم سے ہو- یہاں یعنی تقریر کرنے والے یا واعظ کے پاس کہ وہ آرام اور عزت کی جگہ ہے- وہاں- اور غریب کو ایک

فاصلہ پر- کونے میں کھڑے رہنے یا ایسی جگہ بیٹھنے کی اجازت دیجاتی ہے جس سے پستی اور بے عزتی ظاہر ہوتی ہے۔

۴- تو کیا تم نے آپس کی طرفداری نہ کی- اور بدگمان حاکم نہ بنے؟

ترجمہ اس آیت کا اس طرح ہونا چاہیئے- کیا تم اپنی طرفداری (یعنی بے انصافی) سے لوگوں میں امتیاز نہیں کرتے- اور یُوں بدگمان منصف (یونانی- ناجائز امتیاز کرنے والے) نہیں بنتے پس لازم ہے- کہ جب ہم دوسرے لوگوں کی نسبت سوچنے لگیں- تو اِن کی دولت اور مرتبہ کا خیال ہمارے تصورات پر اپنا اثر نہ کرے- البتہ سوشل یعنی ان مراتب کا جو لوگوں کی جماعت نے قائم کئے ہیں پاس اور امتیاز ایک ضروری امر ہے- مگر تاہم یہ مناسب نہیں کہ وہ ہماری مسیحی اخوت اور ہمارے باہمی رشتہ میں کسی طرح کی رخنہ اندازی کرے- غریبی کو نظرِ حقارت سے دیکھنا روا نہیں بلکہ لازم یہ ہے- کہ اگر کوئی شخص دیانتدار- اور راستباز اور سچا مسیحی ہو تو اسکی قدر اور توقیر کی جائے- آدمی دولت اور کپڑوں سے آدمی نہیں بنتا۔ اس کی آدمیت اس کی خصلت سے ہے- بڑے تعجب بلکہ حماقت کی بات ہے- کہ ہم دولت اور مرتبہ اور ظاہری زرق و برق کے لباس کی عزت کرتے ہیں- حالانکہ ایسی خوشامد اور طرفداری خدا کی نظر میں سراسر گھنونی ہے- دوسری دُنیا میں ہم پر ظاہر ہوگا- کہ جو تخمینے ہم نے لوگوں کی عزت و مرتبہ کی نسبت لگائے تھے- اُن میں



۶- لیکن تم نے غریبوں کو بے حرمت کیا- کیا دولتمند تم پر جبر نہیں کرتے- اور عدالتوں میں تمہیں نہیں کھنچواتے؟

اس آیت میں دُنیا کے فیصلہ کا جو وہ غریبوں کی نسبت رکھتی ہے- خدا کے فیصلہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے لیکن تم نے جن کو اس معاملہ میں زیادہ علم اور واقفیت ہونی چاہیئے- غریبوں کو بے حرمت کیا- یعنی تم نے اُن کو جنہیں خدا عزت دیتا ہے بے عزت کیا (اس کے فیصلہ کو اُلٹ دیا) ہمارے خیالات خدا کے خیالات سے کیسا اختلاف رکھتے ہیں- ہم بارہا خدا کی ترتیب کو بدل دیتے ہیں- خدا تو غریبوں کا دوست دار ہے- مگر ہم غریبی سے شرماتے- حتٰی کہ غریبوں کی آشنائی اور واقفیت کے اقرار کو بھی اپنی تحقیر کا باعث سمجھتے ہیں یہ کیسا کمینہ پن ہے- اِس امر میں ہمارا مزاج مسیح کے مزاج سے جس کی تقلید کا ہم دعوے کرتے ہیں کیسا بعید اور مختلف ہے کیا دولتمند عموماً اپنی طاقت کو تمہارے بارے میں بُرے طور پر عمل میں نہیں لاتے؟ اور عدالتوں میں تمہیں نہیں کھنچواتے- کیا وہی جن کی تم خوشامد کرتے ہو تم کو سرکاری کچہریوں میں زبردستی نہیں لے جاتے؟ اشارہ اِس عبارت میں ان ایذا رسانیوں اور سخت قوانین اور نیز اُن مقدمات کی طرف ہے جو مسیحیوں کے برخلاف ان کے زبردست اور دولتمند ہمسائے کیا

کرتے تھے-

۷- کیا وہ اس اچھے نام کا جو تمہارا رکھا گیا ٹھٹھا نہیں کرتے؟

(حزقی ایل ۳۶: ۲۱ و ۲۲- رومی ۲: ۲۴) اس اچھے نام کا- یعنی کیا وہ اس اچھے نام کی جو سب ناموں سے بزرگ ہے- تکفیر نہیں کرتے- جو تمہارا رکھا گیا- جس سے تم پکارے جاتے ہو رسول کا مطلب یہ ہے- کہ تم تو اپنے بپتسمہ کے وقت مسیح کے نام سے پکارے جاکر اس کے بندے بن گئے تھے- اور مسیح کا نام بزرگ اور لائق نام ہے- اور ان پر جو اس نام سے پکارے جاتے ہیں- بزرگی اور فضیلت کا "تاج رکھتا ہے-

۸- پر جو تم اُس بادشاہی شریعت کو پُورا کرو- جیسا لکھا ہے- کہ تُو اپنے پڑوسی کو ایسا پیار کر جیسا آپ کو- تم اچھا کرتے ہو-

بادشاہی شریعت- وہ شریعت جو اور شریعتوں کی سر اور سردار ہے- جو دس احکام کی جان اور عطر ہے- اور وہ محبت کی اعلےٰ شریعت ہے- بادشاہ عالی خود محبت ہے- اور اس کی شریعت محبت کی شریعت ہے- رسول اس جگہ اس شریعت کا وہ حصہ اقتباس کرتا ہے- جو ہمارے ابنائے جنس سے تعلق رکھتا ہے- تم اچھا کرتے ہو- اگر تم اس شریعت کو جس کا ذکر جملہ ماقبل میں ہو چکا مانتے ہو- تو تم اُسے جو واجب ہے بجا لاتے ہو- اور اپنے اس کام میں برکت پاؤ گے- دوسرے لفظوں میں یوں کہیں- کہ اگر تم ان کی عزت کرتے

ہیں۔کوئی فتوے نہیں۔ عدالت کے دن بہت سی نظیریں رحمت کی فتحمندی کی دیکھنے میں آئینگی۔

۱۴۔ اے میرے بھائیو۔ اگر کوئی کہے کہ میں ایماندار ہوں۔ اور عمل نہ کرتا ہو تو کیا فایدہ؟ کیا ایسا ایمان اُسے بچا سکتا ہے۔

اب رسول اس خیال کی تردید کرتا ہے۔ جو یہودیوں کے درمیان مروّج تھا۔ کہ وہ دل کی سچی تبدیلی اور عملی دینداری کی جگہ۔ ایک زبانی اقرار اور شریعت کے مُردہ سے علم کو کافی سمجھتے تھے۔ وہ خیال کرتے تھے۔ کہ مسیح پر ایمان لانے کا اقرار کافی ہے۔ مگر رسول بتاتا ہے کہ اگر کوئی صرف منہ سے کہے۔ یعنی اپنے ایمان کا صرف ایسا اقرار کرے۔ جیسا کہ بپتسمہ کے وقت کیا جاتا ہے۔ تو اس سے کچھ فایدہ نہیں۔ کیونکہ الفاظ اگر دل سے نہ نکلیں تو کچھ حقیقت نہیں رکھتے کیا ایسا ایمان اس کو بچا سکتا ہے۔ مقابلہ کیا جاتا ہے اس ایمان کا جو خالی ہے۔ ساتھ اس ایمان کے جو پھل لاتا ہے۔ الفاظ بغیر اعمال کے مُردہ اور بے فایدہ ہیں۔ اور وہ شخص جو نجات کی اُمید اس خیال پر رکھتا ہے۔ کہ میں مسیح پر ایمان لانے کا اقرار کرتا ہوں۔ وہ دھوکے میں ہے۔ یہ ریتلی بنیاد ہے۔ البتہ اس قسم کا مذہب آسان اور سستا مذہب تو ہے۔ مگر حقیقت میں لغو ہے۔ اور بڑے افسوس کی بات یہ ہے۔ کہ اکثر مسیحیوں کا مذہب اسی قماش کا ہے۔

۱۵۔ اگر کوئی بھائی یا بہن ننگا ہووے۔ اور روزینہ کی روٹی مُیسر نہ ہو۔

اس آیت میں بے عمل محبت کی مثال پائی جاتی ہے۔ تاکہ اس سے بے عمل ایمان کا بے فایدہ اور لاحاصل ہونا ظاہر کیا جائے۔ ہمدردی کا ایسا خیال جس کے ساتھ عمل نہیں۔ ایمان کے بے عمل اقرار کی مانند ہے۔ بھائی یا بہن۔ اس مسیحی بھائی یا بہن کی مدد کرنا۔ جو حقیقت میں نادار اور محتاج ہے۔ ہم پر فرض ہے۔

۱۶۔ اور تم میں سے کوئی انہیں کہے۔ کہ سلامت جاؤ۔ گرم اور سیر ہو۔ پر تم انہیں وہ چیزیں نہ دو جو بدن کو ضرور ہیں تو کیا فایدہ؟

کسی کی محتاجی اور مصیبت کو دیکھ کر اپنے غم اور رنج کو صرف لفظوں میں ظاہر کرنا ہے۔ مگر عملی صورت میں اسکی مدد اور دستگیری نہ کرنا۔ اس مصیبت زدہ کو کچھ فایدہ نہیں پہنچاتا۔ بلکہ دل کو سخت کرتا ہے۔ سلامت جاؤ۔ یعنی ان الفاظ کو استعمال کرنے والا یہ سمجھتا ہے۔ کہ ہمدردی کے ایسے لفظی اقرار و اظہار سے محتاج کی حاجتیں رفع ہو جائینگی۔ حالانکہ یہ الفاظ صرف ہوا کی طرح ہیں مسیح کے مُنہ سے جب یہ الفاظ نکلتے تھے تو اُن کے ساتھ عمل بھی ہوتے تھے۔ اپنے موقعہ اور محل پر محبت کے الفاظ اچھے ہوتے ہیں۔ مگر وہ محبت کے کاموں کی جگہ ہرگز نہیں لے سکتے ہمدردی کے لفظی اقراروں نے کبھی کسی کو کھلا پلا کر آسودہ نہیں کیا

مصر کے باشندوں کی یہ عادت ہے۔ کہ جب کوئی ان سے خیرات مانگتا ہے۔ تو وہ اسے جواب میں یہ کہتے ہیں۔ "خدا تجھے یہ دے خدا تجھے وہ دے۔ خدا تیری مدد کرے۔" روٹی مانگنے والے کو بھوسے سے سیر کرنا اسی کو کہتے ہیں۔ تو کیا فایدہ۔ اس آیت کے آخر میں وہی لفظ پائے جاتے ہیں۔ جو چودھویں آیت کے شروع میں آتے ہیں۔ اور مراد ان سے یہ ہے۔ کہ محبت کے زبانی جمع خرچ سے نہ تو اسے کچھ فایدہ ہوتا ہے۔ جو محتاج ہے۔ اور نہ اسے جو اس طرح کی محبت جتاتا ہے۔ یہی مثال اس ایمان کی ہے۔ جو صرف زبانی اقرار پر مشتمل ہے۔ وہ نہ خدا کو منظور ہے۔ اور نہ اقرار کرنے والے کے حق میں فایدہ رساں۔ جیسے بے حقیقت محبت نفرت انگیز ہے۔ ویسا ہی بے حقیقت ایمان تنفر کا باعث ہے۔

۱۷۔ اسی طرح ایمان بھی اگر عمل کے ساتھ نہ ہو تو اکیلا ہو کے مُردہ ہے۔

یعنی جب ایمان باعمل ہوتا ہے۔ تو اس کے اندر زندگی ہوتی مثل اس درخت کے جو پھل لاتا ہے۔ مگر جب اس کے ساتھ اعمال نہیں ہوتے۔ تو یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ مُردہ بلکہ جڑوں تک مُردہ ہے۔

۱۸۔ لیکن شاید کوئی کہے کہ ایمان تجھ میں ہے۔ اور میرے پاس اعمال۔ بھلا تُو اپنا ایمان بغیر اپنے اعمال کے مجھ پر ظاہر کر۔

اور میں اپنے ایمان کو اپنے اعمال سے تجھ پر ظاہر کر دونگا۔

لیکن شاید کوئی کہے ایمان تجھ میں ہے۔ وغیرہ۔ یعنی اگر کوئی ایمان کے خالی اقرارات کو ہنسی اور ٹھٹھے میں اُڑانے کے لئے کہے۔ اس دلیل کا تعلق ۱۴ و ۱۶ آیت سے ہے۔ اور خلاصہ مطلب اس کا یہ کہ اگر کوئی کہے میرے پاس اعمال نہیں تو کیا مضایقہ۔ ایمان تو ہے۔ (آیت ۱۴) تو اس کے جواب میں کوئی دوسرا شخص جس کے خیالات اس امر پہ صحیح ہیں۔ اس پر یہ اعتراض کر سکتا ہے۔ کہ اگر ممکن ہو۔ تو آپ اپنا ایمان بغیر اپنے اعمال کے مجھ پر ظاہر کیجئے۔ لیکن آپ کبھی اپنے ایمان کو جس کا اقرار آپ کرتے ہیں۔ بغیر اعمال کے ثابت نہیں کر سکتے۔ **اور میں اپنے ایمان کو اپنے اعمال سے تجھ پر ظاہر کرونگا۔** ماحصل ان ساری باتوں کا یہ ہے کہ ایمان بغیر کسی طرح کے اعمال کے اوروں پر ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ اس موقعہ پہ یہ جتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس بات کا اس طریقہ اور بُنیاد سے کچھ تعلق نہیں۔ جس سے ہم راستباز ٹھیرتے ہیں۔ کیونکہ یہاں مُراد اس ثبوت سے ہے۔ جو ایمان کی موجودگی کو ثابت کرتا ہے۔ اگرچہ درخت پھل کے ظہور سے پیشتر بھی موجود ہوتا ہے۔ تاہم پھل یہ ظاہر کر دیتا ہے۔ کہ اس درخت میں زندگی ہے۔ ہمارا پھل وہ گواہی ہے۔ جس کی بنیاد پر ہم اپنی اور

کے راستباز ٹھیرنے کا وسیلہ یا بنیاد نہ تھا۔ کیونکہ وہ تو قبل اسکے راستباز ٹھیر چکا تھا۔ یعنی اس وقت جبکہ اس نے خدا کے اُس وعدہ کو جس سے یہ ظاہر ہوا۔ کہ وہ چُنی ہوئی قوم کا باپ کہلائیگا اور اس کی اولاد شمار میں آسمان کے ستاروں کی مانند ہوگی۔ ایمان قبول کیا۔ (پیدایش ۱۵: ۵-۶) پس اضحاق کو قربان کرنیکا فعل جو اسبات کے چالیس برس بعد واقع ہوا۔ ایمان ہی کا ایک فعل تھا۔ جس سے وہ راستبازی جو وہ پہلے حاصل کر چکا تھا۔ ثابت ہوئی۔ اور جس سے ظاہر ہوا۔ کہ ابراہیم خلیل اللہ کہلانے کے لایق ہے۔ پس اس کے بیٹے کی قربانی اس کی وفاداری کا ایک ثبوت تھا۔

۲۲۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ ایمان نے اُس کے اعمال کے ساتھ کام کیا۔ اور اعمال سے ایمان کامل ہوا؟

ایمان نے اُس کے اعمال کے ساتھ کام کیا۔ کیونکہ یہ ایمان ہی کی تاثیر تھی۔ کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کرنے پر آمادہ ہوا۔ اور اعمال سے ایمان کامل ہوا۔ یعنی اپنی پوری قد و قامت تک پہنچا۔ اپنے کمال تک بڑھا۔ ابتدا ہی سے درخت بیج میں موجود ہوتا ہے۔ لیکن اس کی کاملیت اس وقت تک وجود میں نہیں آتی جب تک کہ وہ اپنے پورے قد تک نہیں پہنچتا۔

۲۳۔ اور وہ نوشتہ پورا ہوا۔ جو کہتا ہے۔ ابراہام خدا پر ایمان لایا۔ اور یہ اُس کے لئے راستبازی گِنا گیا۔ اور وہ خلیل اللہ کہلایا۔

نوشتہ پورا ہوا۔ یعنی پیدایش ۱۵: ۶۔ اب پولوس اسی نوشتہ کو اقتباس کر کے ثابت کرتا ہے۔ کہ یہ نوشتہ اُس وقت پورا ہُوا۔ جب ابراہیم ایمان سے راستباز ٹھیرا۔ اور یعقوب کہتا ہے۔ کہ بہت دیر بعد پورا ہوا۔ یعنی اس وقت جب کہ اس نے اضحاق کو قربان کیا گویا اس کے نزدیک ابراہیم کو اس قربانی کے فعل نے راستباز ٹھیرایا۔ اب اِن رسولوں میں بظاہر کچھ فرق سا معلوم ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت اس میں کچھ اختلاف نہیں۔ پس وہ بحث اور نا اتفاقی جو اِس بارے میں برپا ہوئی ہے۔ وہ لوگوں کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ (۱) پولوس اس کے ایمان کی اس حالت کا ذکر کرتا ہے۔ جب کہ وہ بیج کی صورت میں تھی۔ اور یعقوب اس حالت کا بیان کرتا ہے۔ جب کہ اس کا ایمان بیج سے پھوٹ نکلا۔ اور نشو و نما پا چکا۔ اور پھل لانے کی حالت میں آگیا۔ دونوں ایمان کی از حد ضرورت ظاہر کرتے ہیں۔ ابراہیم کا اضحاق کو قربان کرنا جسقدر فرمانبرداری کا فعل تھا۔ اسی قدر ایمان کا عمل بھی تھا۔ (۲) جن اعمال کا ذکر پولوس کرتا ہے۔ وہ شریعت کے اعمال ہیں۔ جن پر لوگ اپنی نجات کی اُمید قائم کرتے ہیں۔ مگر جن اعمال کا بیان یعقوب کرتا ہے۔ وہ ایسے اعمال ہیں۔ جو انجیل کو قبول کرنے کے بعد صادر ہوتے ہیں۔ اور یسوع مسیح پر ایمان لانے

کے ضروری اور لازمی پھل ہیں۔ (۳) پولوس لفظ راستبازی کو اُن معنوں میں استعمال کرتا ہے۔جس سے خداگنہگار انسان کو اپنے حضور راستباز ٹھیراکر قبول کرتا ہے۔ پر یعقوب اس لفظ کو اِن معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ کہ انسان انسان کی نظر میں بذریعہ راستبازی مقبول ہوتا ہے۔ (۴) دونوں رسولوں کا مقصد جُدا جُدا ہے۔ پولوس اس خیال کی تردید کرتا ہے۔جس سے لوگ نجات کے لئے اپنے فعلوں پر تکیہ کرتے ہیں۔اور یعقوب اس ایمان کی تردید کرتا ہے۔ جو محض عقلی ہے اور جسمی۔جس میں لفظی اقرار کے سوا اور کچھ نہیں۔ دونوں رسول زندہ ایمان کی ضرورت کے قائل ہیں۔ دونوں کو عبرانیوں کے خط کا گیارھواں باب اِس امر پر متفق کر دیتا ہے۔ اور وہ خلیل اللہ کہلایا۔ وہ اپنی زندگی میں کبھی اِس نام سے موسوم نہیں ہُوا۔ مگر جب سب نے دیکھ لیا۔ کہ وہ بہ سبب اپنے ایمان کے کاموں کے خدا کا دوست ظاہر ہوتا ہے۔ تب اس کو اس خطاب سے ممتاز کیا۔ وہ خلیل اللہ تھا۔ کیونکہ وہ خدا سے اور خدا اس سے محبت رکھتا تھا۔ آہ یہ کیسا عجیب اور بزرگ خطاب ہے۔اس سے ہمرازی اور بےتکلفی عیاں ہوتی ہے۔ خداوند مسیح کہتا ہے۔ مَیں نے تم کو دوست کہا ہے (یوحنا ۱۵: ۱۴-۱۵) بڑے شرم اور افسوس کی بات ہے۔کہ دُنیا میں وہ لوگ جو خدا کی دوستی کی قدر کرتے۔ اور اس سے

لطف اُٹھاتے ہیں۔ بہت تھوڑے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ جو دیندار کہلاتے ہیں۔ وہ بھی اس کی دوستی و عظمت کو جیسا چاہئے نہیں پہچانتے اور اس کے متعلق فرائض کو جیسا چاہئے نہیں بجا لاتے۔

۲۴- پس تم دیکھتے ہو۔کہ آدمی اعمال سے راستباز ٹھیرایا جاتا ہے۔اور صرف ایمان سے نہیں۔

آدمی اعمال سے راستباز ٹھیرایا جاتا ہے۔اور صرف ایمان سے نہیں۔کیونکہ ایمان اعمال سے جُدا جو اسکے واجبی پھل ہیں مُردہ ہے۔ (آیت ۲۰) بے شک ہم ایمان سے راستباز ٹھیرتے ہیں۔ مگر اکیلے ایمان سے نہیں۔ یہ ضرور ہے۔کہ ہم مسیح میں ایمان سے پیوند کئے جائیں۔تاکہ ہم زندہ ہوں۔لیکن ہماری زندگی کو ثابت کرنے کے لئے پھل کی ضرورت ہے۔ ایمان درخت کے رس کی طرح نظر نہیں آتا۔لیکن پھل اس کی موجودگی کو ظاہر کر دیتا ہے۔

۲۵- اِسی طرح راحب بھی جو فاحشہ تھی۔جب اُس نے جاسوسوں کی مہمانی کی اور اُنہیں دُوسری راہ سے باہر کر دیا کیا اعمال سے راستباز نہ ٹھیری؟

اس آیت میں ایک اور نظیر سے ثابت کیا گیا ہے۔کہ ایمان اور عمل میں ایسی باہمی موافقت ہے۔کہ ایک کو دوسرے سے جُدا نہیں کر سکتے۔ ابراہیم تو ایک معزز خطاب سے ممتاز تھا۔لیکن

راحب کا جب ذکر آتا ہے۔ تو فاحشہ کا لفظ اس کے نام کے ساتھ آتا ہے۔ مگر وہ بھی بہ سبب اس ایمان کے جو وہ رکھتی تھی۔ خدا کی نظر میں پسندیدہ ٹھیری۔ اس کے اعمال ایسے تھے جو ایمان سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس نے اس بات کو جسے اس کے ہموطن نے نہ مانا مان لیا۔ یعنی تسلیم کیا۔ کہ اسرائیل کا خدا اپنی قدرت اور حضوری کو اپنے بندوں کی کمک میں ظاہر کریگا۔ اور اسرائیل کو فتحمندی بخشیگا۔ بموجب اس ایمان کے اس نے جاسوسوں کو چھپایا۔ باوجودیکہ اس فعل سے اس کی جان معرض خطر میں آئی تاہم اُس نے ان کو دلاسا دیا۔ اور ان کی مدد کی۔ لہٰذا عبرانی ۱۱: ۳۱ میں اس کا احوال بجائے فرمانبرداری کے بطور ایمان کی نظیر کے پیش کیا گیا ہے۔ راحب کی تواریخ بے شک اس بات کی ایک عجیب نظیر ہے۔ کہ ایک بدنام اور غیر قوم عورت بھی خدا کی نظر میں بہ سبب اپنے ایمان کے پسندیدہ ٹھیری۔ جو صرف لفظی اور عقلی نہ تھا۔ (یعنی ایسا نہ تھا کہ اس نے اسرائیل کے خدا کو صرف زبانی اقرار سے سچا خدا مانا ہو۔ اور بس) بلکہ صدق وصفا کے ساتھ تھا۔ اور اس کی سچائی راحب کے عمل سے ثابت ہوئی۔ پس یعقوب اس کے احوال کو اپنے مطلب کے مناسب حال سمجھ کر بطور نظیر پیش کرتا ہے۔ راحب کے ایمان نے اس پر ایسی تاثیر کی کہ اس کے سارے چال وچلن کو بدل ڈالا۔ جاسوس۔

وہ جو ملکی حالات کو خفیہ طور پر دریافت کرنے آئے تھے۔ دوسری راہ سے۔ یعنی جس راہ سے وہ داخل ہوئے اس کو چھوڑ کر دوسری راہ سے ان کو وداع کیا۔

۲۶۔ پس جیسا بدن بے رُوح مُردہ ہے۔ ویسا ہی ایمان بھی بے اعمال مُردہ ہے۔

اس تشبیہ سے رسول کا یہ مطلب نہیں۔ کہ ایمان اور بدن میں کوئی خاص علاقہ پایا جاتا ہے۔ وہ اس سے صرف یہ دکھانا چاہتا ہے۔ کہ جس ایمان میں عمل کی طاقت نہیں وہ مثل اس بدن کے ہے۔ جس میں زندگی کی رُوح نہیں۔ پس وہ اس تشبیہ سے صرف اس قریبی رشتہ کو جو ایمان اور عمل کے درمیان پایا جاتا ہے۔ ظاہر کرتا ہے۔ ایمان بغیر ایمان کی روح یعنی محبت کے (اور محبت اعمال سے ظاہر ہوتی ہے) مُردہ ہے۔ (نیز دیکھو پولوس رسول کے خیالات اقرنتی ۱۳: ۲ میں) ایمان اور عمل ایک ہی بات کے دو پہلو ہیں۔ اور جب ایک جا مل جاتے ہیں۔ تو زندہ اور سرسبز ہوتے مگر جب جُدا جُدا ہیں۔ تو دونوں مُرجھا کر تباہ ہو جاتے ہیں۔ یا ایک اور تشبیہ سے اس بات کو اس طرح ادا کر سکتے ہیں۔ کہ ایمان اور عمل دو کھیوتے والے ہیں۔ جو ہم کو اس زندگی کے سمندر میں بہاتے لئے جاتے ہیں۔ اگر صرف ایمان کے چپو کو ہلائیں تو کشتی چکر کھانے لگے گی۔ اور آگے نہیں

بڑھیگی۔ اور اسی طرح اگر اعمال کے چپو کو ہلائیں تو تب بھی یہی نتیجہ برآمد ہوگا۔ لیکن اگر دونوں برابر برابر ہلائے جائیں۔ تو ہم بتدریج اور سرعت کے ساتھ آگے بڑھتے جائینگے۔ اور آخرکار منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔ جس مضمون کا ذکر آیات ۱۴-۲۶ تک پایا جاتا ہے اُسکو **زندہ ایمان کے محاسن کا بیان** کہنا چاہیئے۔

اوّل۔ امتیاز مابین زندہ اور مُردہ ایمان کے اور اس کی توضیح۔

دوئم۔ ایمان اور اعمال کا باہمی تعلق۔ یعقوب اور پولوس کا باہمی علاقہ۔

سوئم۔ زندہ ایمان کی مثالیں جن سے اس کی خاصیتیں اور نشانات ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی ابراہیم اور راحب کا احوال۔

چہارم نتیجہ۔ (۱) بعض ایسے اشخاص ہیں۔ جو نہ ایمان رکھتے ہیں۔ اور نہ عمل (۲) بعض ایسے جو اعمال رکھتے ہیں۔ مگر ایمان نہیں رکھتے۔ (۳) اور کئی ایسے بھی ہیں۔ جو ایمان بغیر اعمال کے رکھتے ہیں۔ (۴) اور بہت سے ایسے ہیں۔ جن کا ایمان اور عمل دونوں کمزور ہیں۔ دونوں میں سے ایک بھی پورے انداز تک نہیں پہنچتا۔

تیسرا باب

۱۔ اے میرے بھائیو۔ تم میں بہت سے اُستاد نہ بنیں۔ کیونکہ جانتے ہو کہ ہم اُس سے زیادہ سزا پاویں گے۔

یعنی اُستادی کا عہدہ اختیار کرنے میں جلدبازی نہ ہو۔ کیونکہ بہت تھوڑے ہیں جو اس عہدہ کے لائق ہیں۔ وہ جو اپنی زبان اور مزاج کو قابو میں رکھ سکتے ہیں۔ گنتی کے لوگ ہیں۔ یہودی اُستاد بننا بہت پسند کرتے تھے۔ اور اُن میں سے جو فصاحت کے ساتھ بولتے تھے۔ اکثر پیشہ اُستادی اختیار کر لیتے تھے۔ لیکن جیسا دینی اُستادوں کو چاہیئے ویسا اپنے ایمان کو اپنے اعمال سے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ شروع میں کلیسیا کا یہ دستور تھا۔ کہ سب کو اپنی اپنی باری پر بولنے کی اجازت ملتی تھی۔ لیکن چونکہ بہتوں کے سکھانے کی لیاقت اور مادہ نہ تھا۔ اس لئے یہ دستور بہت جلد خراب ہوگیا۔ ہمیں بھی اِس زمانے میں بڑی خبرداری کرنی چاہیئے۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ یہ بُرائی ہماری کلیسیا میں بھی گھُس جائے۔ زیادہ سزا۔ کیونکہ وہ جو سکھانے اور نصیحت کرنے کا منصب اختیار کرتے ہیں ان کی جواب دہی اور ذمہ داری بہ نسبت اوروں کے زیادہ ہوتی ہے۔

۲۔ اس واسطے کہ ہم سب کے سب بار بار تقصیر کرتے ہیں۔ اگر

کوئی باتوں میں تقصیر نہ کرے تو وہی کامل شخص ہے - اور وہ اپنے سارے بدن کو تابع کر سکتا ہے -

بار بار تقصیر کرتے ہیں - دیکھئے رسول بہ سبب فروتنی کے اپنے تئیں بھی تقصیر کرنے والوں کے زمرہ میں شامل کرتا ہے - وہ اِس کمزوری اور ناکابلیت کو جو سب بنی نوع انسان میں پائی جاتی ہے خوب پہچانتا ہے - باتوں میں تقصیر نہ کرے - بات چیت میں ٹھوکر نہ کھائے - پھسلے نہ پھسلے - اشارہ اس شخص کی طرف ہے جو اوروں کا اُستاد مقرر ہوتا ہے - کامل آدمی - جس شخص نے اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھنے کی مشق کی وہ اس فن میں سیڑھی کے اوپر تک پہنچ گیا ہے - کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی زبان کو اپنے قبضہ اور اختیار میں رکھ سکتا ہے - تو باقی اعضاء جسم کو قابو میں لانا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں - اس عظیم اور مشکل فرض کو بآسانی ادا کرنے کے لئے ہمکو مفصلہ ذیل باتوں کا کاربند ہونا ضرور چاہئے - (۱) ہم کو خدا کا جو ہماری ہر ایک بات کو سنتا ہے - خوف رکھنا چاہئے - (۲) اس شاہانہ شریعت کی پیروی کرنی چاہئے - جو یہ تلقین کرتی ہے کہ ہم اپنے ہمسایوں سے پیار رکھیں - (۳) گذشتہ ناکامیوں کو یاد رکھنا چاہئے (۴) انسانی مزاج سے زیادہ واقفیت پیدا کرنی چاہئے - (۵) غرور اور خودپسندی کو گذشتہ کرنا چاہئے - (۶) اور ان احکام کو جو خدا نے

اس امر کے متعلق عطا فرمائے ہیں - مطالعہ کرنا چاہئے - مثلاً امثال ۱۰: ۱۹ و ۱۶: ۳۲ - زبور ۱۴۱: ۳ اور متی ۱۲: ۳۶) جو باتیں زبان کی منسبت کہی گئی ہیں - قلم پر بھی صادق آتی ہیں -

۳ - دیکھو کہ ہم گھوڑوں کے منہ میں لگام دیتے ہیں - تاکہ وہ ہمارے تابع رہیں - اور اُن کے سارے بدن کو پھیرتے ہیں -

اس آیت اور ذیل کی آیات میں کئی عمدہ تشبیہات پائی جاتی ہیں - مطلب اس آیت کا یہ ہے - کہ لگام اگرچہ ایک چھوٹی سی چیز ہے - تاہم اس کے وسیلہ سے ایک تند مزاج اور زورآور گھوڑے کو روک سکتے ہیں -

۴ - دیکھو جہاز بھی باوجودیکہ کیسے بڑے بڑے ہیں - اور تیز ہوا سے اُڑائے جاتے - چھوٹی چھوٹی پتوار سے جہاں کہیں مانجھی چاہتا ہے - پھرائے جاتے ہیں - ویسے ہی زبان بھی چھوٹا سا عضو ہے پر بڑا ہی بول بولتی ہے -

پتوار جہاز کا ایک نہایت چھوٹا سا حصّہ ہوتا ہے - جتنے کہ دکھائی بھی نہیں دیتا - تاہم بڑے بڑے جہاز اس کے سبب سے جہازران کی مرضی کے تابع رہتے ہیں -

۵ - دیکھو تھوڑی سی آگ کیسے بڑے جنگل کو جلا دیتی ہے !

یہاں رسول دکھاتا ہے - کہ اسی طرح زبان بھی جسم کے

چھوٹے اور خورد اعضاء میں سے ہے۔ مگر تاہم جو نتائج اس سے پیدا ہوتے وہ بہت بڑے اور توجہ طلب ہوتے ہیں۔ کیسی کیسی عجیب باتیں اس سے نکلتیں اور کیسے کیسے بڑے کام اس کے وسیلہ سرزد ہوتے ہیں۔ کیسے بڑے جنگل۔ یہ ایک اور مثال ہے۔ اس بات کی کہ چھوٹی سی زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ کیسی بڑی بڑی خرابیاں پیدا کر سکتے ہیں۔ ہاں وہ سب سے بڑی اور قبیح خرابیاں برپا کرنے کی موجب ہو سکتے ہیں۔

۶۔ سو زبان ایک آگ ہے اور شرارت کا ایک عالم۔ زبان ہمارے انگوں میں ایسی ہے کہ سارے بدن پر داغ لگاتی ہے۔ اور خلقت کے سارے دائرے کو جلاتی ہے۔ اور خود جہنم سے جلن کو پاتی ہے۔

یعنی بے لگام زبان اس آگ کی مانند ہے جو جلنے والی چیزوں کے درمیان پڑی ہو۔ جو اگر بجھائی نہ جائے تو چاروں طرف بربادی اور تباہی کا بازار گرم کر دیتی ہے۔ جس طرح ہماری چھوٹی دُنیا عالم کے بڑے بڑے گردوں میں پڑی ہے۔ اسی طرح ہماری زبان تمام بدن کے اعضا کے بیچ میں پڑی ہے۔ رسول یوں تصور کرتا ہے۔ کہ وہ دیکھنے میں چھوٹی سی ہے۔ مگر دراصل اس میں ایک دُنیا۔ ہاں خطا اور بدی کی دُنیا بھری پڑی ہے۔ وہ جسم کے سارے ڈھانچے میں خرابی کی آگ پھیلا دیتی ہے۔ وہ انسان کی طبیعت بلکہ کل خلقت پر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ وہ ہمیشہ دوزخ کی

آگ سے سوزاں ہے۔ بسا اوقات سارا جسم زبان کے سبب سے گناہ اور جرم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (واعظ ۵: ۶) خلقت کے سارے دائرہ کو۔ اس سے زندگی کا دور یا کل خلقت کا دائرہ مُراد ہے۔ جہنم سے زبان کے گناہ شیطان کے اشارہ سے وقوع میں آتے۔ اور آنے کی خاصیت میں شیطنت مخلوط ہوتی ہے۔ کلام میں شیطان کو صاف صاف طور پر جھوٹا۔ خونی اور بھائیوں پر الزام لگانے والا کہا ہے۔

۷۔ کیونکہ جانوروں کی سب طرح کی طبیعت کیا اُڑنے کیا رینگنے کیا سمندر کے رہنے والوں کی انسان کی طبیعت سے دبائی جاتی اور دبائی گئی۔ پر زبان کو کوئی آدمی بس میں نہیں لا سکتا۔

یعنی تمام حیوانات انسانی عقل کے تابع اور مطیع بن سکتے ہیں۔ اور لوگوں نے وحشی سے وحشی جانوروں اور تُند خو اور بھدار جانداروں کو اپنا مطیع بنایا بھی ہے۔

۸۔ کہ وہ تو ایک بلا ہے۔ جو تھمتی نہیں۔ زہر قاتل سے بھری ہے۔

لیکن کوئی شخص ایسا نہیں۔ جو اپنی یا اپنے ہمسایہ کی زبان پر قابو رکھتا ہو۔ وہ بلا ہے جو تھمتی نہیں۔ وہ چپ نہیں رہتی بلکہ طرح طرح کے پہلو بدلتی ہے۔ وہ قابو میں نہیں آسکتی۔ وہ طرح طرح کی صورتیں اختیار کر کے ہماری گرفت سے نکل جاتی ہے۔

اگرچہ اس کے اردگرد ایک چھوڑ دو دو دیواریں دانتوں اور ہونٹوں کی کھنچی ہیں، تو بھی وہ باہر نکل ہی جاتی ہے۔ اور حملہ کرکے آدمی کو تباہ حال کر دیتی ہے۔ زہرِ قاتل۔ ایسا زہر جس کا کوئی علاج یا زہر مہرہ نہیں۔ صرف خدا کا فضل اسے چنگا کر سکتا ہے۔ بُری زبان کا ڈنک سب سے زہریلے سانپ سے بھی زیادہ زہریلا ہوتا ہے۔ چغلی۔ غیبت اور بدگوئی سے بدن کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا مگر دل چھلنی چھلنی ہو جاتا ہے۔ اور نیک نام جو جان سے بھی عزیزتر اور بیش قیمت ہوتا برباد ہو جاتا ہے۔ جس طرح بعض خراب آئینے خوبصورت اور حسین چہروں پر بھدا اور مسخنی سا عکس ڈالتے ہیں۔ اسی طرح بدگوئی بھی آدمی کو بدہیئت اور بھیانک بنا دیتی ہے۔ بدگوئی کے ہاتھوں ہزاروں جانیں تلف ہو چکی ہیں۔ ہاں جیسی قدرت زبان کو حاصل ہے۔ ویسی طاقت نہ ہاتھ کو اور نہ آنکھ کو حاصل ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ایسے جھگڑے اور فساد برپا کرتی ہے۔ جن کا کچھ حد و حساب نہیں رہتا۔ جس طرح ایک دیا سلائی یا چراغ کے ذرا سے شعلے سے بڑی بڑی عمارتیں بلکہ شہروں کے شہر ویرانہ بن جاتے ہیں۔ اسی طرح چند الفاظ سے گھرانے بلکہ قوموں کی قومیں لڑائیوں اور کشت وخون میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جتنی لڑائیاں اور جھگڑے اس دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ قریباً ان کا نصف زبان کے طفیل سے وقوع میں آتا ہے

شوہر جورو سے۔ اور بچے والدین سے جدا ہوتے۔ دوست سخت دشمن بن جاتے۔ اور یہ سب کچھ اسی چھوٹے سے عضو کے زہریلے تیروں کی بدولت وجود میں آتا ہے۔ اور خاصکر اس ملک کی نسبت ہم سب جانتے ہیں۔ کہ یہاں یہ عضو کیسی کیسی گندی اور غلیظ باتوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

۹۔ ہم اسی سے خدا کو جو باپ ہے۔ مبارک کہتے ہیں۔ اور اسی سے آدمیوں کو جو خدا کی صورت پر پیدا ہوئے بددعا کرتے ہیں۔

مطلب یہ کہ زبان بہت سی صورتوں میں استعمال ہو سکتی ہے اسی سے عبادت اور بندگی کے وقت ہم اس کی جو ہمارا خداوند اور باپ ہے۔ ستائش اور تعریف کرتے ہیں۔ اور اسی سے ہم گالیاں دیتے اور اس کے فرزندوں کو جس کی عبودیت کا دعوےٰ کرتے ہیں کوستے ہیں۔ جو خدا کی صورت پر پیدا ہوئے۔ دیکھو پیدایش ۱: ۲۶۔ چونکہ وہ خدا کی صورت پر پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم پر فرض ہے۔ کہ ہم ان کی عزت کریں اور محبت سے پیش آئیں۔ (۱ یوحنا ۴: ۲۰) پس مناسب ہے کہ ہم ہر ایک آدمی میں خواہ وہ کیسا ہی ذلیل کیوں نہ ہو۔ خدا کی صورت کو دیکھیں اور اسکی تعظیم کریں۔

۱۰۔ ایک ہی منہ سے مبارکباد اور بددعا نکلتی ہے۔ اے میرے بھائیو یہ مناسب نہیں۔ کہ ایسا ہو۔

یعنی زبان سب چیزوں سے اچھی ہے۔ اور سب سے بدتر بھی

ہے - یہ وہ آلہ ہے. جس سے باہمی ملاقاتوں کے لطف اُٹھائے جاتے فصاحت آمیز کلمات بولے اور علمی وقایق حل کئے جاتے اور عبادت کے بہت دستورات ادا کئے جاتے ہیں - لیکن اسی آلہ سے خوشامد جھوٹ اور بدگوئی - اور غلط بیانی اور جھگڑے اور کفر نکلتے ہیں - زندگی اور موت زبان کے ہاتھ میں ہے - (مقابلہ کرو - اس سے امثال ۱۸ : ۲۱ کا) رُوح القدس بھی اِس آلۂ زبان کو کام لا سکتا ہے - اور شیطان بھی اسے اپنے شیطانی کاموں میں استعمال کرسکتا ہے

۱۱ - کیا کوئی چشمہ ایک ہی شگاف سے میٹھا اور کھارا پانی اُچھال دیتا ہے ؟

رسول اس خط کے پڑھنے والوں کی ضمیر کی طرف مخاطب ہو کر انصاف طلب کرتا ہے - گویا وہ اُن سے یہ کہتا ہے - اے بھائیو تم خوب جانتے ہو - کہ ایسی روش سخت سزا کے لایق ہے -

۱۲ و ۱۳ - اے میرے بھائیو کیا ممکن ہے - کہ انجیر میں زیتون اور انگور میں انجیر لگیں ؟ سو ہی کوئی چشمہ کھارا اور میٹھا پانی نہیں دیتا - تم میں کون عقلمند اور دانا ہے ؟ وہ نیک چال سے دانائی کے حلم کے ساتھ اپنے اعمال ظاہر کرے -

ان مثالوں کے زور اور مطالب کو وہ لوگ جو ملک فلسطینیہ میں رہتے تھے خوب سمجھتے ہونگے - بعض دفعہ میٹھا پانی کھارے پانی کے نزدیک پایا جاتا ہے - مگر دونوں ایک ہی سوتہ سے کبھی نہیں نکلتے

صرف خدا کا فضل اس سوتہ سے میٹھا پانی نکال سکتا ہے - جس سے کھاری پانی بہتا ہو - مثل اس لکڑی کے (جو صلیب کا نشان تھی) جس نے مارہ کے کڑوے پانی کو میٹھا بنا دیا - (خروج باب ۱۵ ۲۳ و ۲۵ آیات) اور یہی حال درختوں کا ہے - کہ ان میں سے بھی کوئی ایسا پھل نہیں لا سکتا - جو اس کی طبیعت کے خلاف ہو - پس اگر کوئی شخص ایک دفعہ اچھی طرح اور پھر بُری طرح بولے تو اسے ریاکار سمجھنا چاہئے - کیونکہ اس کی باتیں بھروسہ کے لایق نہیں - وہ صرف ظاہر میں اچھی صورت رکھتے ہیں - سچا مذہب اسی قسم کے نقیض اور اختلافات سے پاک ہوتا ہے - اسی طرح کوئی چشمہ کھارا میٹھا پانی نہیں دیتا - یعنی جس مُنہ سے بد دُعا نکلتی ہو اس سے برکت اور دُعا کے کلمہ نہیں نکل سکتے - زبان کی دُرستی کے لئے دل کی درستی ضروری ہے - کیونکہ جو کچھ دل میں بھرا ہے سو ہی منہ پر آتا ہے - کون ؟ دیکھو زبور ۳۴ - یوں تو سب دانا بننے کی کوشش کرتے ہیں - مگر ایسے ہوتے چند ہی ہیں - ظاہر کرے - یعنی اگر کوئی تم میں سے دانائی کا دم بھرے تو مناسب ہے کہ وہ صرف اس بات کا دعوےٰ ہی نہ کرے بلکہ اپنے نیک چلن اور عمدہ اور مفید کاموں سے اور نیز اوروں کو فایدہ پہنچانے والے کلام سے اپنی دانائی ظاہر کرے - ضرور ہے کہ دانائی اور علم بھی ایمان کی مانند اپنی ہستی اور موجودگی کو پھلوں سے ظاہر

کریں۔ دانائی کے حلم کے ساتھ۔ حلیمی کا نام خاصکر اس واسطے لیا گیا۔ کہ وہ حقیقی دانائی سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ وہ دانائی کے بہترین پھلوں سے ہے۔ دانائی صُلح پیدا کرتی ہے۔ اور صلح دانائی کو بڑھاتی ہے۔

۱۴- پر جو تم اپنے دل میں کڑوی ڈاہ اور جھگڑے رکھتے ہو۔ تو فخر نہ کرو اور سچائی کے خلاف جھوٹ نہ بولو۔

اگر تم لوگوں کے درمیان صلح نہیں ہے۔ تم اپنے دلوں میں ایک دوسرے سے حسد اور کینہ رکھتے ہو۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو اپنی دانائی اور علم کی زیادتی پر فخر نہ کرو۔ کیونکہ تمہارا فخر جھوٹا ہے۔ اور جس صداقت کے ماننے کا تم اقرار کرتے ہو۔ اس کے بالکل برخلاف ہے۔

۱۵- یہ وہ حکمت نہیں جو اوپر سے اُترتی ہے۔ بلکہ یہ دُنیاوی نفسانی شیطانی ہے۔

ایسی دانائی جس پر تم نازاں ہو اُوپر سے نہیں آتی۔ اِس قسم کی دانائی اس سے جو پاک اور قدوس اور نوروں کا بانی ہے (دیکھو باب اوّل آیت ۵) نہیں نکلتی۔ بلکہ کمینی اور نفسانی اور شیطانی ہے۔ دُنیاوی۔ یعنی آسمانی کے خلاف ہے۔ نفسانی۔ یعنی رُوحانی نہیں بلکہ حیوانی ہے۔ شیطانی۔ سماوی اور الٰہی نہیں بلکہ دوزخ سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ تینوں خاصیتیں آدمی کے تین بڑے بڑے دُشمنوں یعنی دُنیا۔ جسم اور شیطان کی ہیں۔

۱۶- اس لئے کہ جہاں ڈاہ اور جھگڑا ہے وہاں ہنگامہ اور ہر طرح کا بُرا کام ہوتا ہے۔

اس لئے کہ جہاں ڈاہ اور جھگڑا ہے۔ وہاں ہنگامہ اور سو طرح کا بُرا کام ہوتا ہے۔ حسد اور ڈاہ ردّی اور نہایت نفرانگیز کلمات ہیں۔ ان کے مُنہ سے ہمیشہ زہر ٹپکتی رہتی ہے۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے قصوروں کی ٹوہ میں رہتے۔ وہ اوروں کی کمزوریوں کو بڑھا کر حقیقت سے کئی گُنا زیادہ بنا دیتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اوروں کے چال چلن کی نسبت شکوک اور شبہ قائم کرنے اور اُن کو بدنام اور خوار کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ وہ فساد اور جھگڑے اور لڑائی کے شعلہ کو اُکساتے رہتے اور اس دوستانہ اتفاق اور برادرانہ اتحاد کے رشتہ کو جو روحانی زندگی اور ترقی کی جان ہے کاٹتے رہتے ہیں۔ باشندگانِ ہند کو یہ نکتہ خوب سیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اتحاد مذہبی اور قومی ہر دو معاملات میں طاقت کا سرچشمہ ہے۔ اور جو چیزیں اتحاد کو تباہ کرنے والی ہیں وہ برعکس اس کے کمزوری اور ناکامی کا منبع ہیں٭

۱۷- پر وہ حکمت جو اوپر سے ہے سو پہلے پاک ہے پھر ملنسار ملائم ترغیب پذیر رحم سے اور اچھے پھلوں سے لدی ہوئی نہ طرفدار ہے نہ مکّار٭

لیکن سچی دانائی اوپر سے ہے۔ وہ خدا کی بخشش ہے اس آیت میں حقیقی دانائی کے سات نشان پیش کئے گئے ہیں۔ (۱) پاک یعنی وہ ساری آلایش سے جو دنیاوی۔ نفسانی اور شیطانی ہے آزاد ہے۔ جیسے کہ خالص سونا صاف اور بے داغ ہے۔ (دیکھو باب ۱/۴ و ۴/۸تا۴ ا پطرس ۱/۲۲) جو کچھ خدا سے آتا ہے اُس کی اوّل صفت یہ ہے وہ پاک ہے (۲) ملنسار ہے۔ یہ دانائی بجائے جھگڑے پیدا کرنے کے سب سے صلح رکھنے کی سعی کرتی۔ آسمانی دانائی لوگوں کو یہ ترغیب دیتی ہے کہ وہ ہر حال میں صلح کی بنیاد قائم رکھیں۔ (۳) ملائم۔ غریب نواز۔ بُرد بار ہے۔ دوسرے کے قصوروں کو برداشت کرتی ہے۔ اُن سے ملائمت و نرمی سے پیش آتی ہے۔ وہ سخت اور متکبر نہیں ہوتی۔ (۴) ترغیب پذیر۔ یعنی اوروں کی نسبت نیک خیال اور نیک گمان رکھنے کے لئے اُن کو جلد رجوع اور مائل کر سکتی ہے۔ وہ حسد اور ڈاہ کی عین ضد ہے (۵) رحم اور اچھے پھلوں سے لدی ہے۔ وہ ہر ایک بات کی طرف جو نیک اور پُر محبت ہے جلد راغب ہو جاتی ہے۔ اس جگہ مقابلہ ہے "ہر بُرے کام سے جس کا ذکر اوپر (۱۶ آیت میں) ہُوا تھا۔ (۶) نہ طرفدار وہ کسی کی رعایت نہیں کرتی اور معاملہ داری میں جلد بدلتی نہیں اور نہ تکرار کرتی اور نہ الزام و اتہام لگاتی

ہے (۷) نہ مکّار۔ اس میں ریاکاری۔ حیلہ بازی اور فریب دہی کے عیوب نہیں پائے جاتے۔ (اس بیان کا محبت کے بیان سے جو اکرنتی باب ۱۳ میں پایا جاتا ہے مقابلہ کرنا چاہیے)

۱۸- اور وہ جو صلح کرتے ہیں راستبازی کے پھل صلح کے ساتھ بوتے ہیں ؛

آخر میں رسول یہ بتاتا ہے۔ کہ جو صلح کرنے والے ہیں اُن کے لئے صلح راستبازی کا بیج ہوتی ہے۔ راستبازی کی فصل اُن کے لئے تیار ہوتی ہے (متی ۵/۹ ہوسیع ۱۰/۱۲) وہ جو صلح کل ہیں اور صلح کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہی حقیقت میں دانا ہیں۔ اور وہی راستبازی کا ابدالآباد اجر پائیں گے۔ وہ خدا کے فرزند شمار کئے جائینگے۔ پر وہ جو جھگڑا بوتے ہیں لعنت کاٹیں گے اور جو جسم کے لئے بوتے ہیں سو فنا کاٹیں گے۔ لیکن وہ جو رُوح کے لئے بوتے ہیں وہ ہمیشہ کی زندگی پائیں گے سچی دانائی فی الحقیقت گوہر نایاب ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ جنکے پاس یہ موتی موجود ہے۔ یہ آسمانی بخشش ہے اور جہاں کہیں اس کی تعمیل کی جاتی وہیں زمین پر آسمان شروع ہو جاتا ہے اور کاش کہ ہم پولوس رسول کے ساتھ ہم آواز ہو کر کہہ سکیں "ہم نے خدا کی صفائی اور سچائی کے ساتھ۔ جسمانی حکمت سے نہیں۔ بلکہ خدا کے فضل سے دُنیا میں گذران کی" (۲ کرنتی ۱/۱۲)

چوتھا باب

۱- لڑائیاں اور جھگڑے تم میں کہاں سے آتے؟ کیا یہاں سے نہیں جن تمہاری شہوتوں سے جو تمہارے انگوں میں لڑتی ہیں۔

لڑائیاں اور جھگڑے۔ یعنی فساد اور ہنگامہ۔ لڑائیاں اور باہمی جھگڑے بغاوتیں اور غدر یروشلم کی تباہی سے پہلے یہودیوں کے درمیان عام تھے۔ رسول مسیحیوں کو تاکید کرتا ہے کہ وہ ان باتوں میں شریک نہ ہوں۔ مقابلہ کرو اس صلح سے جس کا ذکر اوپر (باب ۳ اور آیت ۱۸) میں ہو چکا ہے شہوتوں اس لفظ کے لغوی معنے خواہش کے ہیں۔ جھگڑوں کا اصل چشمہ خواہشیں ہیں۔ اور یہ بُری خواہشیں اُن شہوانی لذات کی تمنا سے پیدا ہوتی ہیں جو ہمارے انگوں میں لڑائی کو ہمیشہ جاری رکھتی ہیں۔ بلکہ وہ انسانی رُوح اور نیز روح پاک کے برخلاف بھی لڑتی رہتی ہیں۔ پس لازم ہے کہ ہر ایک مسیحی ان کو گشتہ کرے۔ (فلسی ۳/۵) ✦

۲- تم خواہش کرتے ہو اور نہیں پاتے۔ تم قتل کرتے ہو اور رشک کرتے ہو اور کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ تم جھگڑتے ہو اور لڑائی کرتے ہو پر کچھ ہاتھ نہیں لگتا اِس لئے کہ تم نہیں مانگتے۔

تم خواہش کرتے ہو۔ جب تم کسی شے کے حاصل کرنے

کی خواہش کرتے اور وہ تم کو نہیں ملتی تو تمہارے دل مایوس ہو کر حسد اور لالچ اور دشمنی اور انتقام کی رُوح سے بھر جاتے ہیں اور نتیجہ بالآخر یہ ہوتا ہے کہ ان برائیوں کے سبب سے نوبت خونریزی تک جا پہنچتی ہے۔ لڑتے ہو اور جھگڑتے ہو۔ مگر پھر بھی حصول مدعا میں ناکام ہی رہتے ہو۔ اور ناکامی کا سبب یہ ہے کہ تم دُعائیں مانگتے ہو۔ مگر پھر بھی حصول مدعا میں ناکام ہی رہتے ہو۔ اور ناکامی کا سبب یہ ہے کہ تم دُعا نہیں مانگتے ہو۔ خدا تو مانگنے والوں کو دینے کا وعدہ کرتا ہے مگر تمہارا مانگنا ہی دُعا نہیں سمجھا جاتا ✦

۳- تم مانگتے ہو اور نہیں پاتے۔ کیونکہ تم بد نیتی سے مانگتے ہو تاکہ اپنی شہوتوں میں خرچ کرو ✦

یعنی تم مانگتے تو ہو لیکن پاتے نہیں۔ کیونکہ تم درست طور پر نہیں مانگتے۔ اور اپنے معاملات میں خدا کی صلاح اور مشورت نہیں لیتے۔ تمہاری دعائیں جھوٹی ہیں۔ کیونکہ نہ تو وہ نیک نیتی سے مانگی جاتی ہیں۔ اور نہ ان کی علت غائی اور مقصد ہی درست ہوتا ہے۔ تم کو انسان کی بھلائی اور خدا کا جلال مدنظر نہیں بلکہ تم جھگڑے کی رُوح سے دُعا مانگتے ہو۔ اور اپنی خود غرضی کے لئے مانگتے ہو۔ پھر جبکہ تمہارے دل بغض اور حسد اور خودی سے جو خدا کی نظر میں مکروہ ہے بھرے ہوئے ہیں

خدا تمہاری کب سُن سکتا ہے۔ اِس سے ہمیں یہ بھی سیکھنا چاہئیے کہ اگر ہم دُنیاوی کامیابی اور اقبال مندی کے لئے دُعا کریں تو ہماری غرض اور نیّت نیک ہوتی چاہیئے۔ ہماری دُعاؤں کی عِلّتِ غائی خدا کا جلال ہو نہ کہ اپنے نفس کی لذت +

۴۔ اے زنا کرنے والو اور زنا کرنے والیو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ دُنیا کی دوستی خدا کی دشمنی ہے۔ پس جو کوئی دُنیا کا دوست ہُوا چاہتا ہے۔ وہ آپ کو خدا کا دشمن ٹھہراتا ہے +

اے زنا کرنے والو اور زنا کرنے والیو۔ اے تم جو اپنے شادی کے عہد کو جو تم نے خدا سے باندھا تھا توڑ ڈالتے ہو۔ زنا کی مثال پُرانے عہدنامہ میں اکثر دی گئی ہے۔ لالچ کو بُت پرستی اور زنا کہا ہے۔ خدا اپنے بندوں کی جماعت کا سچا دُولھا یا شوہر ہے۔ پس وہ لوگ جو خدا سے پھر جاتے ہیں اور دُنیا کو اس کی نفسانی شہوتوں اور خود غرض جھگڑوں سمیت پیار کرتے ہیں وہ زنا کے مجرم ٹھہرتے ہیں +

پس دُنیا کی دوستی کا ارادہ ایک ایسا فعل ہے جو آدمی کو خدا کا دشمن ثابت کرتا ہے (دیکھو ۲۴/۲ متی ۶/۲۴) +

۵۔ یا تم گمان کرتے ہو کہ کتاب عبث کہتی ہے وہ رُوح جو ہم میں بستی ہے رشک کے درجے تک بھی ہم پر راغب ہے +

گو یہ عبارت کسی خاص مقام سے مقتبس نہیں تاہم نوشتوں کے عام مطلب کو بخوبی ظاہر کراتی ہے دیکھو گنتی ۱۱/۲۹ زبور ۴۲/۱۰ امثال ۱۴/۱۱ گلاتی ۵/۱۷ وغیرہ مقامات سے اسی قسم کا مطلب مترشح ہے۔ صحیح ترجمہ اس آیت کا دو طرح پر ہو سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ کیا تم گمان کرتے ہو کہ کتاب عبث کہتی ہے؟ کیا وہ رُوح جو ہمارے اندر بستی ہے حسد پر مائل ہے۔ اس صورت میں مراد رسول کی غالباً یہ ہوگی کہ جب ہم ایک دوسرے سے حسد رکھتے ہیں تو ظاہر کرتے ہیں کہ ہم دُنیا کے دوست ہیں لیکن خدا کی رُوح کا یہ خاصہ نہیں بلکہ وہ ایسے پھل لاتی ہے۔ جو ان خراب اور بُری صفتوں سے بہشت دُور ہوتے ہیں۔ یا ایک یہ ترجمہ ہو سکتا ہے۔ وہ رُوح جو ہمارے اندر بستی ہے رشک کے درجے تک بھی ہم پر مائل ہے؟ مراد اس صورت کی یہ ہے کہ رُوح پاک ہماری محبت کی اس درجہ تک مشتاق اور خواہاں ہے کہ جب ہم دُنیا سے دوستی پیدا کرتے ہیں تو وہ رشک کھاتی ہے +

۶۔ پر وہ تو زیادہ تر فضل بخشتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ خدا مغروروں کا سامنا کرتا پر فروتنوں کو فضل بخشتا ہے +

پر وہ تو زیادہ تر فضل دیتا ہے یعنی وہ تو ہمیں ایسا فضل دیتا ہے۔ جو ترقی کرتا رہتا ہے۔ تاکہ ہمیں حسد سے محفوظ

رکھے وہ ہمارے دل کو زیادہ ملائم اور رقیق بناتا تاکہ ہم کو بغض اور حسد سے آزاد کرے۔ (نئے ترجمہ میں بجائے وہ کے نوشتہ ہے) چنانچہ وہ کہتا ہے (دیکھو امثال ۳/۳۴) سامنا کرتا ہے۔ خدا مغروروں کا مقابلہ کرتا ہے۔ جیسا کہ وہ اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ جیسے کو تیسے کا سلوک کرتا ہے۔ غرور حسد کی ماں ہے۔ وہ شیطانی ہے کیونکہ شیطان اس سے گرا۔ مغرور۔ یعنی وہ لوگ جو اپنے تئیں اوروں سے اونچا سمجھتے اور خدا کے برخلاف کھڑے ہوتے ہیں۔ فروتنوں۔ وہ جو خاکسار ہیں جو حسد سے آزاد اور لالچ سے بری ہیں جو فسادی اور حریص نہیں۔ غرور اپنا آپ ہی دشمن ہے۔ اور ضرور ایک نہ ایک دن گڑھے میں گرے گا۔ لیکن فروتنی عزت کا باعث ہے اور جو اسے رکھتا ہے اس کے لئے بہت سی تکلیفوں سے بچنے کی پناہ گاہ ہے وہ طفل کیا کریں جو گھٹنوں کے بل چلیں۔ اگر ہم دُنیا میں سے گذرتے وقت اپنی گردن جھکائے رکھیں تو کوئی بھی ہم کو گردن سے نہیں پکڑنے پائے گا۔ فروتنی عالی دماغ لوگوں کی صفت ہے اور مسیحی پرہیزگاروں کا اعلیٰ نشان ہے۔ گندم کی وہ بالیں جو اپنا سر جھکائے رکھتی ہیں بیش قیمت دانوں سے پُر ہوتی ہیں فروتنی اس خوبصورت اور

خوشبودار پھول کی طرح ہے۔ جس کی صورت سے حیا اور حلم ٹپکتا ہے اور جو چھپا رہتا ہے۔ فروتنی حلم کی طرح خاص مسیحی خوبی ہے۔ دیکھو ہمارا خداوند کیسا فروتن تھا۔ لازم ہے کہ ہم بھی ویسے ہی بنیں۔ یوحنا ۱۳/۱۲-۱۷ +

۷۔ اس لئے خدا کے تابع ہو جاؤ۔ شیطان کا سامنا کرو اور وہ تم سے بھاگ نکلے گا +

پس لالچ اور جھگڑے اور حسد اور غرور کو چھوڑ کر فروتنی کے ساتھ خدا کے تابع ہو جاؤ۔ نمک حلال سپاہی کی طرح شیطان کا مقابلہ کرو۔ جو ہم کو گناہ کی ترغیب دیتا ہے۔ جو بڑا محنت کش اور ہشیار تجربہ کار اور بڑا حاسد ہے۔ جن ہتھیاروں سے اُس کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ وہ ایمان اور دُعا اور خدا کا کلام اور آسمانی حکمت ہیں۔ نہ ہم کو اس کے ساتھ صلح کے لئے گفتگو کرنی چاہیئے۔ اور نہ کسی اور طرح کی شرائط پیش کرنا چاہیئے۔ بلکہ شروع ہی سے اپنی ساری قوت اور طاقت سے اس کا مقابلہ کرتے رہنا ہے۔ اور وہ بھاگ نکلے گا خداوند کا یہ وعدہ اُن کو جو آزمائش اور امتحان میں مبتلا ہیں ہمیشہ بڑی تسلی بخشتا ہے۔ جس نے خدا کے سارے ہتھیاروں کو لے لیا ہے شیطان اُس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا ہے۔ بلکہ شکست کھا کر اس کے سامنے سے اسی طرح

بھاگ نکلے گا۔ جس طرح ہمارے خداوند یسوع کے سامنے سے بھاگ نکلا تھا +

۸۔ تم خدا کے نزدیک جاؤ تب وہ تمہارے نزدیک آئے گا اے گنہگارو تم اپنے ہاتھ دھوؤ اے دودلو اپنے دل کو پاک کرو +

یعنے اگر توبہ کے ساتھ خداوند کے نزدیک جاؤ تو وہ خوش ہوکر تمہارے نزدیک آئے گا۔ تم اپنے ہاتھوں سے بُرے کاموں کی غلاظت کو دھو ڈالو تم جن کے دل خدا اور دُنیا دونوں میں تقسیم ہیں زبور ۲۴ / ۴ اور جنہوں نے مسیحی محبت کی شریعت کو توڑا ہے اپنے دل کو رُوحانی بناؤ اور زنا کے میل سے پاک کرو دیکھو زبور ۲۴ / ۴ ہمیں ہاتھ اور دل یعنے فعل اور خیال ہردو قسم کے گناہوں سے آزاد ہونا چاہیئے۔ ورنہ ہم خدا کے نزدیک نہیں جا سکیں گے +

۹۔ افسوس اور غم کرو اور روؤ تمہارا ہنسنا کڑھنے سے بدل جائے اور خوشی اُداسی سے +

اپنی کمبختی پر جو تمہارے گناہ کے سبب سے تم پر آتی ہے۔ افسوس کرو۔ اور بڑے غم کے ساتھ توبہ کرو ان گناہ آلود خواہشات کو جن سے لذت اُٹھاتے رہے ہو۔ چھوڑ دو اور ظاہر کرو کہ تم سچ مچ غمگین اور شرمسار ہو +

۱۰۔ تم خداوند کے حضور فروتنی کرو کہ وہ تم کو بڑھائے گا +

اپنے گناہوں کا اقرار کرتے اور خدا کے شاہانہ اختیار کو مانتے ہوئے خدا کے حضور میں آؤ۔ وہ تم کو برکت دیگا اور تمہارے دنیوی اور روحانی ہردو معاملات میں تم کو برومند کرے گا۔ یہی توبہ اور فروتنی کے ساتھ خدا کے حضور میں جانے کی تاکید کرکے تمہاری ہمت بڑھائی گئی ہے۔ کیونکہ خدا اُس کے ساتھ ہے جو خدا کے نزدیک آنا چاہے۔ کیونکہ خدا شکستہ دل میں رہنے کو خوش ہے جو حلیم اور خاکسار اور بُردبار اور فروتن ہیں ان کے حق میں بہت وعدے پائے جاتے ہیں۔ آسمان میں سب سے اعلےٰ رتبہ ان کو ملے گا۔ جنہوں نے اس دُنیا میں اعلےٰ درجہ کی فروتنی سے زندگی بسر کی +

۱۱۔ اے بھائیو تم آپس میں ایک دوسرے کی بدگوئی نہ کرو جو اپنے بھائی کی بدگوئی کرتا اور اُس پر الزام لگاتا ہے۔ سو شریعت کی بدگوئی کرتا اور شریعت پر عیب لگاتا ہے۔ لیکن اگر تُو شریعت پر عیب لگائے تو تُو شریعت پر عمل کرنے والا نہیں بلکہ اُس کا حاکم ہے +

ایک دوسرے کی بدگوئی نہ کرو۔ یہ گناہ آلودہ عادت بھی اس مزاج سے پیدا ہوتی ہے جس سے وہ جھگڑے پیدا ہوتے جن کا ذکر آیت اوّل میں آیا تھا۔ بدگوئی۔ انصاف و محبت کے

خلاف اور بڑی کمینگی اور حسد کا کام ہے۔ یہ عادت دوسروں کو تکلیف میں ڈالتی اور سوسائٹی کو ضرر پہنچاتی ہے بدگوئی جب ایک مرتبہ لبوں سے نکل جاتی ہے تو پھر کبھی نہیں لوٹتی بلکہ اِدھر اُدھر جلد پھیل جاتی ہے لیکن انجام کار شکست پاتی ہے اور بدگوئی کرنے والے کے سر پر آ گرتی ہے۔ مسیحیوں کو لازم ہے کہ نہ خود بدگوئی کریں اور نہ کبھی اپنے کانوں سے سُنیں۔ بدگوئی کو بند کرنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے کانوں کو بند کر لیں۔ عالی اشخاص اس کی کچھ قدر نہیں کرتے وہی لوگ جو ذلیل ہیں اس پیشے کو اختیار کرتے ہیں اور وہی اس کی قدر کرتے ہیں۔ ایک انگریز رئیس کے قلعہ کے دروازہ پر یہ الفاظ کندہ تھے "وہ لوگ کہتے ہیں کیا کہتے ہیں؟ خیر کہنے دو۔" شریعت کی بدگوئی کرتا ہے یعنی محبت کی شاہانہ شریعت کی۔ دیکھو وہ جو اوروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اُن کے کلمات اور خیال پر جو ان کی مرضی کے مطابق نہیں فتوٰی لگاتا ہے۔ وہ اپنی مرضی کو محبت کی اس شریعت کی جگہ پر نصب کرتا ہے۔ مسیحی ہونیکی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اس شریعت کے عامل بنیں برعکس اس کے جب ہم اپنے بھائی پر الزام لگاتے ہیں تو ہم اس شریعت کے جو ہم کو اپنے بھائیوں سے محبت رکھنے کا حکم کرتی

ہے۔ عامل ہونے کے بجائے اُس پر فتوٰی لگانے والے بنجاتے ہیں۔ بھائی کی نیک نامی کا خیال رکھیں۔ اور اُس کے قصوروں اور کمزوریوں کی تشہیر سے خوش نہ ہوں اگر کسی موقع پر بھائی کی تعریف نہیں کر سکتے تو بہتر ہے کہ ہم اس موقع پر کچھ نہ بولیں +

۱۲- شریعت کا دینے والا ایک ہے جو بچانے اور ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ تُو کون ہے جو دوسرے پر الزام لگاتا ہے +

شریعت کا دینے والا اور حاکم ایک ہی ہے۔ وہی اکیلا فیصلہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہی اکیلا سزا دینے یا رہا کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ لیکن تُو کون ہے جو اس فخر اور شیخی میں ہے کہ اپنے کو خدا کی جگہ جو سب کا حاکم ہے دوسروں کا حاکم مقرر کرے۔ یہ ہمارا کام نہیں کہ ہم ان پر جو ہماری نج کی راؤں اور خیالات سے اتفاق نہیں رکھتے فتوٰی لگائیں یا اُنہیں بھلا بُرا کہیں۔ کسی کو اوروں کی ضمیر پر جبر کرنے کا اختیار نہیں۔ شریعت دینے والا صرف ایک ہی ہے +

۱۳- اب آؤ تم لوگ جو کہتے ہو کہ آج یا کل فلانے شہر جائینگے اور وہاں ایک برس ٹھہرینگے اور سوداگری کرینگے اور نفع پائیں گے +

اب آؤ۔ رسول شیخی اور خود اعتمادی کی ایک اور مثال

کی طرف ان کی توجہ طلب کرتا ہے۔ آج یا کل۔ تم ایسے فخر سے یہ الفاظ بولتے ہو کہ گویا آج یا کل کا مقرر کرنا تمہارے ہی ہاتھ میں ہے حالانکہ کل کا تو کیا ذکر تم دوسرے لمحہ تک بھی دیکھنے کا دعوٰی نہیں کر سکتے۔ ایک برس ٹھہرینگے تم کس طرح ایک برس ٹھہرنے کا یقینی دعوٰی کر سکتے ہو۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ مگر پھر تم آنے والے سالوں کی نسبت یہی تدبیریں تجویز کرتے ہو۔ سوداگری کریں گے اور نفع اٹھائینگے تمہاری تجویزیں سب دُنیاوی اور خود غرضی کی ہیں تمہارے دل آیندہ کے دل لبھانے والے خوابوں میں غرق ہیں۔ اور تم اپنے منصوبوں میں ایسے ڈوبے ہوئے ہو کہ خدا تمہارے خیالات میں مطلق دخل نہیں پاتا۔ لیکن یاد رکھو کہ خدائے رزّاق کی مشورت کے بغیر آیندہ کی تدبیریں کرنا خیالی پلاؤ پکانا ہے +

۱۴۔ اور نہیں جانتے کہ کل کیا ہوگا۔ کیونکہ تمہاری زندگی کیا ہے ؟ کیونکہ وہ تو ایک بخار ہے جو تھوڑی دیر تک نظر آتا اور پھر غائب ہو جاتا ہے +

تم نہیں جانتے کہ کل کونسی بات برپا ہوکر تمہاری تدبیروں کے قلعہ کو گرا دیگی۔ تمہاری زندگی حباب پُر آب ہے۔ تم صبح کی کُہر کی مانند ہو جو جلدی اٹھتی اور جلدی غائب ہو جاتی ہے

پس ایسی زندگی کو مضبوط اور محکم سمجھنا اور یوں چلنا کہ گویا اس کا کبھی خاتمہ ہی نہیں ہوگا بڑی حماقت ہے۔ انسانی زندگی ازلیت اور ابدیت کے درمیان ایک ہاتھ بھر کا فاصلہ مشکل سے رکھتی ہے۔ یہ مثل اس پرندہ کے ہیں جو تاریکی سے نکل کر تھوڑی دیر کے لئے کسی روشن گھر میں داخل ہوتا اور پھر چشم زدن کے عرصہ میں اندھیرے میں غائب ہو جاتا ہے۔ یہ چھوٹی سی زندگی ہم کو اچھے فرائض کے ادا کرنے کو دی گئی ہے۔ نہ کہ خود غرضی کے لئے۔ پس لازم ہے کہ ہم ان چند گھنٹوں کو جو ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ خدا اور اپنے ابنائے جنس کی محبت بھری خدمت میں صرف کریں مناسب ہے کہ ہم اپنے خداوند کے ان الفاظ پر غور کریں "ضرور ہے کہ جس نے مجھے بھیجا ہیں اس کے کاموں کو جب تک کہ دن ہے کروں۔ رات آتی ہے اور کوئی اُس وقت کام نہیں کر سکتا۔" یوحنا $\frac{9}{4}$ اگر ہمارا خداوند اسی ذمہ واری کے بوجھ کو جو اس کے کندھے پر تھا ایسا محسوس کرتا تھا۔ تو کس قدر لازم ہے۔ کہ ہم اور بھی زیادہ محسوس کریں +

۱۵۔ اس کے برخلاف تم کو کہنا چاہیئے کہ جو خداوند کی مرضی ہو اور ہم جیتے رہیں تو یہ یا وہ کام کریں گے +

پس برعکس اس کے تمہیں کہنا چاہیئے کہ جو خداوند

کی مرضی ہووے۔ یعنی ہم کو ہمیشہ خداوند کی مرضی پر تکیہ اور بھروسہ کرنے کی ضرورت کو پہچاننا چاہیئے۔ مسیحی اکثر اپنے خطوط میں اور اپنی بول چال میں کہا کرتے ہیں "اگر خدا کی مرضی ہو" یہ بہتر ہے لیکن اگر یہ نہ ہو۔ تو اتنا تو ضرور ہونا چاہیئے کہ ہمارے دل میں یہ خیال ہونا چاہیئے۔ ہم جیتے رہیں تو یہ کام کرینگے۔ ہماری زندگی ہمارے سانس ہمارے اور کام خدا کی مرضی پر موقوف ہیں اگر ہم اس کو یاد رکھیں تو ہمارے دل افکار اور ترددات سے خالی رہیں گے ہم اپنی تدبیروں کو بڑی احتیاط سے انجام دینگے۔ اگر ہماری امید بر آئی تو تب ہم خداوند کا شکریہ ادا کرینگے اور اگر نہ بر آئی تو تب بھی مطیع اور مطمئن رہیں گے ٭

۱۶۔ پر اب تم اپنی لافزنیوں پر فخر کرتے ہو ایسا سب فخر برا ہے ٭

پھر اگر تم اپنے آپ کو خدا کی مرضی کے سپرد کرنے کے بجائے ان خیالی منصوبوں اور اپنی لاف زنیوں پر جو تم آیندہ کی نسبت ٹھانتے ہو فخر کرتے رہو۔ تو یاد رکھو کہ اس قسم کا تمام فخر معیوب ہے۔ کیونکہ وہ خدا پر جو ہر روز ہماری احتیاج رفع کرتا ہے۔ کامل بھروسہ رکھنے کا مخالف ہے۔ چاہیئے کہ ہم چھوٹے بچوں کی طرح فروتنی اور سادے بھروسے کے ساتھ

روز مرہ ضروریات اور رفع حاجات کے لئے اپنے آسمانی باپ پر تکیہ کریں "ہمارے روز کی روٹی آج ہمیں دے" ٭

۱۷۔ پس جو کوئی بھلا کر جانتا ہے اور نہیں کرتا اس پر گناہ ہوتا ہے ٭

رسول اس اصول کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جو ۱/۲۲-۲۴ میں پایا جاتا ہے۔ علم بغیر عمل کے ایک گناہ ہے۔ تم صداقت کا علم رکھنے کی نسبت فخر کرتے ہو۔ پر تم اس کو عمل میں نہیں لاتے۔ یاد رکھو وہ علم جو برتاؤ میں نہیں آتا۔ وہ اس کھانے کی طرح ہے جو ہضم نہیں ہوا۔ کوئی اور شے روح کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتی جتنا وہ علم جو عمل میں نہیں آتا۔ ایسی حالت میں ضمیر سخت ہو جاتی اور آخر کار بالکل سُن ہو جاتی ہے۔ دیکھو یوحنا ۹/۴۱ ٭

پانچواں باب

۱۔ ارے آؤ اے دولتمندو۔ اُن آفتوں کے سبب سے جو تم پر آنے والی ہیں چلا چلا کے روؤ ٭

ارے آؤ۔ رسول ان ہدایات کی طرف جو وہ دیتا ہے بڑی توجہ طلب کرتا ہے۔ ذیل کی آیات میں یہودی دولتمندوں کو

سخت دھمکی بسبب ان کے ظلم کے دی گئی ہے۔ اور نیز اُن مسیحوں کو جو ظلم میں گرفتار تھے۔ برداشت کرنے کی نصیحت کی گئی ہے تاکہ وہ دولتمندوں کے ستم کی برداشت کریں۔ کیونکہ خداوند جلد انتقام لے گا۔ (دیکھو آیت ۷) +

اے دولت مندو۔ اے تم جو دولت کو خود غرضی سے اپنی عیش و آسائش کے لئے جمع کرتے ہو۔ لوقا ۶/۲۴ آفتوں سے جو تم پر آنے والی ہیں۔ جو جلد اور اچانک آ جاتی ہیں ان سے اشارہ اوّل یروشلم کی بربادی کی طرف اور پھر خداوند مسیح کی دوسری آمد پر (آیت ۷) دولتمند کہتے ہیں کھاؤ پیئو۔ اور خوش رہو۔ لیکن خدا ان سے کہتا ہے۔ روؤ اور چلّاؤ +

۲۔ کیونکہ تمہارا مال سڑ گل گیا اور تمہارے کپڑے کیڑے کھا گئے۔

تمہاری جمع کی ہوئی دولت کسی کے کام نہیں آتی۔ بلکہ تمہارے کام بھی نہیں آتی وہ تباہ ہو جاتی ہے اور تمہارے مہین کپڑے جو صندوق میں بند ہیں۔ اُنہیں کیڑا کھا جاتا ہے (دیکھو متی ۶/۱۹ و ۲۰)

۳۔ تمہارے سونے اور روپے کو مورچہ لگا اور اُن کا زنگ تم پر گواہی دے گا اور آگ کی طرح تمہارا گوشت کھائے گا۔ تم نے آخری دنوں کے لئے خزانہ جمع کیا +

تمہارے سونے اور روپے کو مورچہ لگا اور حساب کے

دن یہ مورچہ تم پر گواہی دے گا۔ کیونکہ تم نے حرص و طمع سے اس کو بیکار پڑا رہنے دیا۔ ہاں جس مورچہ نے ایک زمانے میں تمہاری دولت کو کھایا۔ وہی ندامت اور شرم کی صورت میں تمہاری ضمیروں کو کھائے گا۔ تم دوزخ میں اس دولت کو جسے تم نے نامناسب طور پر جمع کیا۔ اور نامناسب طور پر استعمال کیا یاد کرتے کرتے جلائے جاؤ گے +

آگ کی طرح۔ ایسی آہستگی سے نہیں جس طرح مورچہ کھاتا ہے بلکہ آگ کی تیزی اور تندی سے آخری دنوں۔ صحیح ترجمہ ہے تم نے آخری دنوں کے لئے اپنا خزانہ جمع کیا ہے۔ نہ جانکہ کہ تمہارے حساب کا روز اور تباہی کا دن نزدیک آ گیا ہے۔ بجائے نجات کو تلاش کرتے کے تم دولت جمع کرنے میں لگے ہو۔ جس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ تم نہیں جانتے کہ خطرہ نزدیک ہے دولتمند کی تمثیل پڑھو (لوقا ۱۲/۱۳-۲۱) وہ خزانے جو زمین پر جمع کئے جاتے ہیں وہ دیرپا نہیں بلکہ خطرات کا چشمہ ہوتے ہیں۔ (۱) وہ مورچہ اور پھپھوندی سے خراب کئے جاتے ہیں۔ (۲) وہ دل میں مورچہ اور پھپھوندی کو لگا دیتے ہیں (۳) وہ ہماری روحانی طبیعت کو آسودہ نہیں کر سکتے۔ (۴) وہ اپنے ساتھ فکر اور تردّد اور تکلیف کو لاتے ہیں۔ کیونکہ ان سے بڑا بوجھ اور ذمہ داری آدمی پر آ جاتی ہے +

(۵) یہ خزانے وہ راستے ہیں۔ جس سے شیطان ہزاروں کو بربادی تک پہنچاتا ہے۔ دولت عمدہ باندی مگر خراب ملکہ ہے۔ طمع ایک خراب جذبہ ہے جو دل کو سخت کر دیتا اور ہمدردی کے خیالات تباہ کر دیتا ہے۔ اگرچہ دولت کے جمع کرنے میں یہ سب نقصانات پائے جاتے ہیں۔ تو بھی دولت کی خواہش اور بھوک ہمارے زمانے کا ایک عام گناہ ہے۔ ایک آدمی کی قسبت بیان کرتے ہیں کہ وہ جہاز پر سے جو تباہ ہونے پر تھا۔ کود پڑا تاکہ اپنی جان بچائے۔ مگر وہ اس سونے کے بوجھ سے جو اس کی کمر سے بندھا تھا۔ اور جس کو وہ پھینکنا نہیں چاہتا تھا۔ ڈوب گیا اسی طرح ہزاروں بہ سبب اپنی دولت سے چمٹے رہنے کے دوزخ کی طرف کھنچے جاتے ہیں۔ اور وہ خواہ برباد ہی ہو جائیں تو بھی اس کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ ہم سورج کی روشنی کو اپنی آنکھ کے سامنے ایک پیسہ رکھ کر بند کر سکتے ہیں۔ ہزاروں خدا کے علم اور محبت کو اپنے دلوں سے بہ سبب تھوڑی سی دولت کے دُور رکھتے ہیں پولوس رسول ہم کو اس ناپاک دولت کی محبت سے آگاہ کرتا ہے اور کہتا ہے "کہ زر کی دوستی ساری بُرائیوں کی جڑ ہے۔" تمطاؤس $\frac{٦}{١٠-٩}$ اور اگر سچ پوچھا جائے تو شاذ ہی کوئی دولتمند خوش ہوتا ہے۔ بھوکا آدمی دولت سے آسودہ نہیں ہوتا۔ فاقوں کا مارا اگر جنگل میں موتیوں کا بدلہ

پائے تو وہ اُسے وبالِ جان سمجھے گا۔ کیا فائدہ اگر آدمی ساری دُنیا حاصل کرے پر اپنی جان کھوئے۔ بہتر سچ ہے کہ دُنیا بہ نسبت جمع کرنے کے زیادہ مفید ہے۔ دولت انسان کو امیر نہیں بناتی۔ آدمی کی امیری اس کے دل سے ہے۔ اس کی امیری اور غریبی اس پر منحصر نہیں کہ وہ کیا رکھتا ہے پر اس پر کہ وہ کیا ہے نہ دُنیا کا مال۔ پر دل کا حال مقدم بات ہے ٭

۴۔ دیکھو اُن مزدوروں کی مزدوری جنھوں نے تمہارے کھیت کاٹے جو ظلم سے دی نہ گئی تمہارے یہاں سے چلاتی ہے اور اُن کاٹنے والوں کا نالہ لشکروں کے خداوند کے کان تک پہنچ گیا۔

دیکھو اب بھی تمہارا بڑا گناہ انصاف کے لئے چلاتا ہے یعنے اُن مزدوروں کی مزدوری کو ادا نہ کرنا جنہوں نے تمہارے کھیت کاٹے اور تمہاری دولت کو بڑھایا۔ (استثنا $\frac{٢٤}{١٢ \text{ و } ١٥}$) چلاتی ہے جو گناہ خدا کی نظر میں نہایت قبیح ہیں انکی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ خدا کے سامنے چلاتے ہیں ٭

لشکروں کے خداوند کے کان تک پہنچ گیا۔ اے مغرور اور زبردست ظالموں اگرچہ تم نے تو اپنا کان بند کر لیا ہے کہ غریبوں کی آواز نہ سنو۔ مگر خدا کا کان کھلا ہے۔ تم نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ غریبوں کا کوئی مددگار نہیں۔ لیکن یاد رکھو لشکروں کا خدا ان کے عوض میں تم سے انتقام لے گا ٭

۵-تم نے زمین پر عیش و عشرت کی اور سارے مزے اُڑاتے آئے۔تم نے اپنے دلوں کو جیسے ذبح کے دن کی خاطر موٹا کیا۔

تم شہوت پرستی اور عیش و عشرت اور فضول خرچی کی زندگی بسر کرتے ہو۔تم نے سخاوت اور انصاف کی کچھ پرواہ نہیں کی۔بلکہ اپنی ہی عیش میں ڈوبے رہے۔حالانکہ غریب تمہارے پاس دُکھ میں تڑپتے تھے۔تم نے اپنے دلوں کو موٹا کیا یعنی تم نے اپنے جسموں کو اپنے دل کی خواہش کے مطابق سیر کیا ہے۔ذبح کے دن کے لئے تم نے اپنے تئیں ایسا موٹا بنایا ہے۔جیسے جانور ذبح کے دن کے لئے تیار کئے جاتے ہیں اور تم اب تک نہیں سمجھتے ہو کہ تمہیں ذبح کرنے کا دن نزدیک آتا جاتا ہے (دیکھو آیت ۳)+

۶-تم نے راستباز پر فتوٰی دیا اور اُسے قتل کیا وہ تم سے مقابلہ نہیں کرتا +

تم نے راستباز پر فتوٰی دیا اور اُسے قتل کیا

اس آیت میں اشارہ خاص کر مسیح پر سزا کا حکم لگانے اور اس کو مار ڈالنے کی طرف ہے۔(اعمال ۳/۱۴ و ۷/۵۲ و ۲۲/۱۴) مگر علاوہ بریں اور سب مظلوم بھی اس میں شامل ہیں جن کا لہو دولتمند اور زور آور ستانے والوں کے ہاتھ سے بہایا گیا۔نیز اس میں یعقوب کی شہادت کی بھی پیشینگوئی ہے۔جو راستباز

کہلاتا تھا اور جس کو یہودی سرغنوں نے ایک ہنگامہ میں جو انہوں نے مسیحوں کے برخلاف برپا کیا تھا قتل کیا۔مسیح اور اس کے بندوں کی راستبازی دُنیا کے بے دین دولتمندوں اور اختیار والوں کے دلوں میں ایک عجیب نفرت پیدا کرتی ہے۔کیونکہ وہ ان کے نیک نمونے سے اپنے دلوں میں ایک قسم کی ملامت اُٹھاتے ہیں۔وہ تم سے مقابلہ نہیں کرتا۔مسیح اور اس کے پیرو تمہاری ایذا رسانیوں کو صبر سے سہتے مگر تم اس سے اور بھی دلیر ہوتے جاتے ہو۔خیر اب جیسا تمہارا جی چاہے ویسا کرو۔کیونکہ راستباز تمہارا مقابلہ نہیں کریں گے۔لیکن وہ دن آتا ہے جب خدا تمہارے برخلاف اُٹھے گا۔اور تمہیں سزا دیگا اور مغرور ظالموں پر افسوس۔مذکورۃ الصدر آیات سے ظاہر ہے کہ دولتمند تین طرح کے گناہ میں پھنس سکتے ہیں (۱) غریبوں کو ستانا اور ان پر ظلم کرنا (۲) نفسانی خواہشوں کو پورا کرنا (۳) مسیح کو رد کرنا +

۷-پس اے بھائیو خداوند کے آنے تک صبر کرو دیکھو کسان زمین کے قیمتی پھل کا انتظار کرتا اور اس کے لئے صبر کرتا ہے جب تک پہلے اور پچھلے مینہہ کو نہ پائے +

اب رسول ہمت بخش کلام سے ان مسیحوں کی طرف مخاطب ہوتا ہے جو حقیر سمجھے جاتے تھے جو ایذاؤں میں

گرفتار اور ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ پس اے بھائیو خداوند کے آنے تک صبر کرو۔ چونکہ انصاف کا دن نزدیک ہے اس لئے اپنے خداوند کی طرح جو مقابلہ نہیں کرتا تھا۔ اور جب ستایا جاتا تھا تو اپنا منہ نہیں کھولتا تھا۔ تم بھی اسی طرح اپنی آزمائشوں میں تحمل اور برداشت کے ساتھ ثابت قدم رہو۔ ایک چھوٹی لڑکی کی نسبت روایت ہے کہ لوگ اس کی دیندارانہ زندگی کے باعث اس کو بہت ستاتے تھے مگر وہ ہمت مردانہ سے بڑے صبر اور برداشت سے تکلیفیں سہتی رہی لیکن آخرکار اپنے دکھوں کی ماری مر گئی۔ جب اُس کے کپڑے اُتارنے لگے تو ایک کاغذ کا ٹکڑا جو اس کی گردن سے لٹک کر چھاتی پر لگا ہوا تھا۔ لوگوں کی نظر پڑا اس کے اوپر یہ الفاظ لکھے تھے "اُس نے اپنا مُنہہ نہ کھولا" خداوند کے آنے تک۔ کیونکہ اُس کے آنے پر تمہاری آزمائش ختم ہو جائے گی اور تمہاری برداشت اجر پائے گی۔ مسیحی کا طریق زندگی یہ ہے کہ وہ صبر سے خداوند کے آنے کی انتظاری کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جب وہ آئے گا تو اپنے وفادار بندوں کو اجر دے گا یہ الفاظ اُن کے وردِ زبان ہیں "اس کے آنے تک" اُس کے آنے تک ہمیں ایمان کی اچھی لڑائی لڑتے رہنا ہے (۱تمطاؤس ۶/۱۲ و ۲۴/۲) اس کے آنے تک ہمیں اپنی مصیبت کو سہتے رہنا

ہے (۱تھسلنیکیوں ۱/۱۰) اس کے آنے تک ہم کو جلال کے تاج کا منتظر رہنا ہے (۱پطرس ۵/۴) اس کے آنے تک ہم کو شیطان کی گرفتاری کا انتظار کرنا ہے۔ (مکاشفات ۲۰/۳) اس کے آنے تک ہم اس کی موت عشائے ربانی سے ظاہر کرتے رہینگے (۱کرنتھ ۱۱/۲۶) کسان انتظار کرتا محنت اور مشقت کے ساتھ اور مدت تک انتظاری کرتا رہتا ہے۔ اور اس امید سے کہ فصل کی معمولی میری محنت کا حق ادا کریگی اور اس کی بیش قیمت اور گراں مایگی میری تکلیفوں کے عوض ایک بیش بہا اجر ہوگی (زبور ۱۲۶/۶ گلاتی ۶/۹) پہلے اور پچھلے مینہہ کو نہ پائے پہلا مینہہ ہونے کے وقت یعنی قریب نومبر اور دسمبر کے برستا تھا اور پچھلا مینہہ مارچ اور اپریل کے قریب برستا تھا۔ اس مینہہ سے فصل تیار ہوتی تھی ✝

۸۔ سو تم بھی صبر کرو اور اپنے دل مضبوط رکھو کیونکہ خداوند کا آنا نزدیک ہے ✝

سو تم بھی صبر کرو اور مضبوط رہو۔ ہمت باندھو۔ دل کو مضبوط کرو اگر تم وفادار ہو تو تم جلدی اجر پاؤ گے (گلاتی ۶/۷-۸) صبر میں زور ہے اور حکمت بھی ہے مسیحی کلام کے بونیوالے اگر فصل جلد پیدا نہ ہو دل شکستہ ہو جاتے ہیں۔ ان کو کسان سے صبر کا سبق سیکھنا چاہیئے اگر ہماری بھلائی کی کوششیں

ہماری محبّت کے الفاظ مہرو اُلفت کے کام اور لوگوں کو مسیح کے پاس لانے کا جوش پھل نہ لائیں تو ہم جلد ہمّت ہار دیتے ہیں۔لیکن ہم کو رُوحانی دُنیا میں فصل کی جلد توقع نہ رکھنی چاہیئے۔روحانی کام بہت دیر میں انجام پاتے ہیں انسانی محاورے کے مطابق یہ کہنا بیجا نہ ہوگا۔کہ خدا بھی بہت دیر تک انتظار کرتا ہے خدا کی خدمت میں ہمّت ہارنا خدا سے بے وفائی کرنا اور یہ بھول جانا ہے کہ ہمارا اہم خدمت کون ہے۔صبر کہتا ہے خداوند "جب تیری مرضی ہو" جو تیری مرضی ہو" "جس طرح تیری مرضی ہو" اگر ضرورت پڑے تو ہمیں بغیر پھل کی امید کے بھی کام کرنا چاہیئے۔ہم کو بولتے رہنا چاہیئے خواہ کوئی ہماری بات سُنے یا نہ سنے ہم کو محبّت کرتے رہنا چاہیئے۔خواہ اس کے جواب میں کوئی ہم سے محبّت کرے یا نہ کرے۔ہمیں بیج کو پانی کے اوپر پھینک دینا چاہیئے۔بدیں امید کہ کچھ دن کے بعد عمدہ فصل کی صورت میں واپس آئے گا۔ہم کو بار بار بیج بونا چاہیئے۔پھر اگر اُس دفعہ کا بونا بھی کچھ پھل نہ لائے تو مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ممکن ہے کہ چالیسویں یا پچاسویں دفعہ بہت فصل پیدا ہو۔خداوند کا آنا نزدیک ہے۔خداوند کا آنا ہمیشہ نزدیک ہے۔اور ہم کو اُس کی متواتر انتظاری میں زندگی بسر کرنا چاہیئے۔اور کوئی

بات ہمارے دلوں کو مضبوط نہیں کر سکتی جیسے یہ زندہ خیال مضبوط کر سکتا۔کہ ہمارا خداوند جلال میں آئے گا تاکہ اپنے دشمنوں کو سزا اور اپنے بندوں کو جزا دے۔یہ امید ہمارے خیالات اور زندگی کا ایک اعلیٰ اور عملی حصّہ ہونا چاہیئے +

۹۔اے بھائیو ایک دوسرے پر نہ کڑکڑاؤ۔تاکہ تم پر الزام نہ لگایا جائے دیکھو انصاف کرنے والا دروازے پر کھڑا ہے +

نہ کڑکڑاؤ۔بے صبر نہ ہو اور ایک دوسرے کی نسبت سخت رائیں جاری نہ کرو۔پہلے رسول نے شریروں کی بدسلوکی سہنے کا حکم دیا تھا۔اب تاکید کرتا ہے کہ اپنے بھائیوں کی بھی برداشت کرو۔مسیحی اکثر بدکار ظالموں کے ظلم کو سہہ لیتے ہیں مگر ان تکلیفوں کو نہیں سہتے جو اپنے بھائیوں کی طرف سے آتی ہیں گو وہ نسبتاً بہت ہلکی ہوتی ہیں تاکہ تم پر الزام نہ لگایا جائے۔دیکھو منّی ۲۴ انصاف کرنے والا دروازے پر کھڑا ہے۔منّی ۲۴ یعنی خداوند نزدیک ہے اس سے اوّل اشارہ یروشلم کی بربادی کی طرف ہے دوئم مسیح کی دوسری آمد کی طرف جبکہ وہ سب کا انصاف کرنے کو آئے گا +

۱۰۔اے میرے بھائیو جو نبی خداوند کا نام لیکے فرماتے تھے انکے دُکھ اُٹھانے اور صبر کرنے کو نمونہ سمجھو +

اپنی آنکھوں کے سامنے نبیوں کو برداشت اور صبر کے

نمونے کے لئے رکھو وہ خدا کے پیغمبر تھے۔ مگر پھر بھی سخت ترین آزمایشوں اور شدید ترین ایذاؤں میں مبتلا ہوئے۔ صبر کی نیک بختی اور خوبی کا ان کے نمونہ سے سبق سیکھنا چاہیئے ✦

۱۱- دیکھو ہم اُن کو جو صبر کرتے ہیں نیک بخت سمجھتے ہیں تم نے ایوب کے صبر کا حال سُنا ہے اور خداوند کی طرف جو انجام ہوئے جانتے ہو کہ وہ بڑا دردمند اور مہربان ہے ✦

ہم انہیں جنہوں نے مردانگی اور صبر سے اپنی آزمائشیں سہیں نیک بخت کہتے ہیں ہاں ہم ان کو دُنیا کے دولتمندوں کی نسبت جو عیش و عشرت میں رہتے ہیں زیادہ خوش نصیب اور بختاور سمجھتے ہیں۔ ایوب- ایوب اس واسطے پیش کیا گیا کہ وہ صبر کی عمدہ نظیر اور رضائے الہیٰ پر شاکر رہنے کی مشہور مثال ہے۔ اس نے بہت تکلیف اُٹھائی لیکن خدا نے آخر کار اُس کو بہت ہی عمدہ اجر بخشا کیونکہ خدا رحم سے بھرپور ہے وہ ہم سے ہماری نالائقیوں کے مطابق سلوک نہیں کرتا نہ ہم کو ہماری برداشت سے باہر آزماتا۔ اور یہ بھی اسکی عین رحمت ہے کہ وہ بھی ہماری آزمائشوں کا انجام بخیر کرتا ہے اور ہماری وفاداری کا خواہ وہ کیسی ہی خفیف اور ناقص کیوں نہ ہو۔ اجر دیتا ہے۔ وہ ہماری نیتوں اور ارادوں کو شمار کرتا اور ہماری ناکامیوں اور کمزوریوں کو حساب میں نہیں لاتا ✦

۱۲- پس سب سے پہلے اے میرے بھائیو قسم مت کھاؤ نہ آسمان کی نہ زمین کی نہ کوئی اور قسم۔ بلکہ تمہارا ہاں ہاں اور تمہارا نہیں نہیں ہو کہ تم سزا کے لائق نہ ٹھہرو ✦

چونکہ قسم کھانا مسیحی برداشت اور مسیحی راست گوئی کے خلاف ہے اس لئے کسی طرح کی قسم نہ کھاؤ خواہ بدکار ظالم ہزار ترغیبیں دیں۔ تمہارا ہاں ہاں ہو۔ یعنی اپنی بات کے انکار یا اثبات کو سادہ طور پر قائم کرو۔ مسیحی ہو کر تمہاری راست گوئی مسلم اور ضرب المثل ہونی چاہیئے دیکھو متی ۵/۳۴ قسم کھانے کی بُرائی یہودیوں میں اس درجے تک مروج تھی کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں اور خفیف معاملات میں بھی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ ہندوستان میں بھی یہ بُرائی بہت پھیل رہی ہے ✦

سزا کے لائق نہ ٹھہرو۔ یعنی اس انصاف کرنے والے کے ہاتھ سے جو دروازے پر کھڑا ہے (آیت ۹) سزا نہ پاؤ لازم ہے کہ ہماری زبان ہمارے دل کا ایک سچا اور سادہ مظہر ہو۔ سخت کلامی اور مبالغے سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ تو ہم میں صدق دلی ہے کہ ہم اپنے مطلب کو سیدھے سادھے طور پر بیان کریں اور نہ یہ وصف ہے کہ اوروں کی سچائی اور راستگوئی پر بھروسہ کریں ✦

۱۳- اگر کوئی تم میں غمگین ہو وہ دُعا مانگے اور اگر کوئی خوشحال ہو تو ستائش کے گیت گائے ۔

غمگین وہ جو تکلیف یا کسی اور سبب سے دل شکستہ ہو جائے دُعا مانگے وہ گڑگڑائے نہیں اور نہ بے صبر ہو بلکہ خدا کے سامنے جو تسلی کا سرچشمہ ہے چلائے خوش حال ہو- اگر کسی کا دل تکالیف کے بوجھ سے ہلکا ہو تو وہ ستائش کے گیت گاوے اپنی آواز خدا کی مدح میں جو راحت کا منبع ہے بلند کرے ۔

۱۴- اگر کوئی تم میں بیمار پڑے تو کلیسیے کے بزرگوں کو پاس بُلائے اور وہ خداوند کے نام سے اس پر تیل ڈھال کے اس کے لئے دُعا مانگیں ۔

بزرگوں کو پاس بلائے- ان سے وہ شرکاء مراد ہیں جو کلیسیا کے قائم مقام ہوتے ہیں جسے رومن کیتھلک الٹریم انکشن کہتے ہیں اور جس کے مطابق قریب المرگ بیماروں کے سر پر تیل ڈال کر مسح کرتے ہیں بدیں خیال کہ اس حرکت سے اسکی روح جو قالب سے جدا ہونے پر ہے نجات پائے گی- لیکن صاف ظاہر ہے کہ جس مسح کا ذکر یعقوب رسول کرتا ہے اس کا اشارہ جسمانی صحت کی طرف ہے رسول یہاں اس شفا بخش قدرت کا ذکر کرتا ہے جو ان معجزانہ بخششوں میں سے تھی جو قدیم کلیسیا کو بخشی گئی تھی- چونکہ یہودیوں کے درمیان تیل ایک شفا بخش شے

بلکہ الٰہی فضل کا نشان سمجھا جاتا ہے لہٰذا وہ معجزانہ بخششوں میں مستعمل کئے جانے کا ایک عمدہ نشان تھا یہ قدرت اور معجزانہ کرامات کی طرح اب نہیں ملتے- اس قسم کے نشانات ایک خاص غرض کے لئے شروع میں عطا ہوتے تھے یہ مسیحیت کی صداقت کے ظاہری اور عین ثبوت تھے اور جب ان کی ضرورت نہ رہی وہ بھی بند ہو گئے (دیکھو اقرنتی ۱۲: ۴-۱۱ و ۱۲: ۱۶) یاد رکھنا چاہئے کہ جو معجزات روحوں کی مرض گناہ کو دفع کرنے میں ظاہر ہوتے تھے وہ بہ نسبت ان معجزات کے جو جسم کی بیماریوں کے دُور کرنے میں ظاہر ہوتے ہیں بہت بڑے اور بیش قیمت ہوتے ہیں ۔

۱۵- اور دُعا جو ایمان کے ساتھ ہو اس بیمار کو بچائے گی- اور خداوند اُس کو اُٹھا کھڑا کرے گا اور اگر گناہ کئے ہوں تو اُسے معافی ہوگی ۔

اور دُعا جو ایمان کے ساتھ ہو تیل بچا نہیں سکتا وہ تو صرف ظاہری نشان ہے پس ایمان طرفین کے لئے ضروری ہے بیمار کو بچاوے گی یعنے موت سے (متی ۹: ۲۱ و ۲۲) خداوند اُس کو اُٹھا کھڑا کرے گا- جیسے روحانی صحت کے لئے ویسے ہی جسمانی صحت اور تندرستی کے لئے دُعا کرنے کی ہم کو ہدایت ہوتی ہے واقعی دونوں آپس میں ایک نزدیکی رشتہ رکھتی ہیں اور معلوم

ہوتا ہے کہ جس طرح خدا رُوحانی صحت دینے کو خوش ہے اسی طرح جسمانی بھی عطا کرنے کو راضی ہے وہ نہ صرف روحانی بیماری سے بچاتا ہے بلکہ جسمانی بیماری سے بھی شفا بخشتا ہے بشرطیکہ ہم اس کی مقرری شرائط یعنی ایمان اور اطاعت بجا لائیں ہم یہ نہیں کہتے کہ ضروری وسائل کو جو مثل ادویات وغیرہ کے ہیں ترک کرنا چاہیئے ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس نے یہ بھی مقرر کر دیا ہے کہ اس قسم کے وسائل سے اثر ہوگا۔ تاہم سب سے بڑا وسیلہ جو خدا نے مقرر فرمایا سو دُعا ہے۔ مسیحیوں نے ابھی پورے پورے طور پر یہ نہیں پہچانا کہ خدا کی یہ بخشش یعنے اس سے دُعا مانگنے کی اجازت کیسی وسعت رکھتی ہے۔ اور اگر گناہ کئے ہوں اگر وہ بذریعہ بیماری کے اپنے گناہوں کا نتیجہ بھگت رہا ہو (اقونت $\frac{۱۱}{۳۰-۳۲}$) معاف کر دیگا (متی $\frac{۹}{۲-۵}$ و یوحنا $\frac{۵}{۱۴}$) آہ! خدا اپنے گنہگار بچوں پر کیسا مہربان ہے اور اس کی معافی فضل کے ساتھ بھرپور ہے اور مفت ملتا ہے۔ ہم اپنی بیماری اور دکھ میں بیشتر یہ فریاد کرتے ہیں۔ ہائے مجھکو دے ہائے مجھ کو جلد صحت دے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ ہماری دُعا زیادہ تر یہ ہو۔ اے خدا تو میرے گناہ معاف کر۔ جس قدر ہمارا آسمانی باپ اس طرح کی دعاؤں کا جواب دینے کو تیار ہے اس قدر ہم مانگنے کو تیار نہیں +

۱۶۔ تم آپس میں اپنی تقصیروں کا اقرار کرو اور ایک دوسرے کے لئے دُعا مانگو تاکہ تم شفا پاؤ۔ راستباز کی منت جب استعمال کی جاتی توبڑی تاثیر رکھتی ہے +

آپس میں اپنی تقصیروں کا اقرار کرو۔ آپس میں نہ کہ پریسٹ کے پاس جیسا کہ روی کلیسیا حکم کرتی ہے۔ اپنے گناہوں کا اقرار کرنا ہمارا بھاری فرض ہے اور کب کرنا چاہیئے (۱) اُس وقت جبکہ ہم نے اپنے ہمسائے کو نقصان پہنچایا ہو (۲) اُس وقت جبکہ ہم کسی دوست یا خادم الدین سے کسی گناہ کی نسبت جو ہم سے سرزد ہوا ہے نصیحت طلب کریں (۳) جب ہم اپنے دوستوں سے کسی گناہ کی نسبت جس میں ہم گرفتار ہیں دُعا کی درخواست کریں (۴) اس حالت میں جبکہ ہم تمام کلیسیا کے سامنے اپنے گناہ سے توبہ کرنے کا اقرار کریں۔ تاکہ تم شفا پاؤ جسمانی بیماری سے نیز روحانی مرض اور ضعف اور تکلیف سے (راستباز کی منت اپنے عمل میں بہت تاثیر رکھتی ہے) یعنی دُعا کا جواب ضرور ملے گا۔ بشرطیکہ وہ جو دُعا مانگتا ہے ایک ایسا شخص ہو جس کا ایمان اس کے افعال سے ظاہر ہو۔ جس کی مرضی خدا کی مرضی سے مطابقت رکھتی ہو۔ اور جو پورے درجہ تک روح پاک کی ہدایت کے مطابق چلتا ہو (زبور $\frac{۶۶}{۱۸}$ یعقوب $\frac{۱}{۵-۶}$) خدا کے سچے فرزندوں کی دُعاؤں کا جواب کسی نہ کسی

صورت میں ہمیشہ بل جاتا ہے رُوح پاک ہم کو کسی دیسی کرت کے لئے کشتی کرنے کی ترغیب نہیں دیتی ہے جو وہ ہم کو آخرکار خوشی سے نہ دے سکے۔ دُعا ایک بڑی زبردست طاقت ہے وہ رُوح کو اس سے جو زندگی اور قدرت کا منبع ہے ملا دیتی ہے۔ تمہارے ایمان کے مطابق تمہارے ساتھ ہو۔ جس قدر سمائی اور گنجائش ہم میں ہوتی ہے۔ ہم اسی نسبت سے بھرپور ہوتے ہیں۔ دُعا کی قدرت کی مثالیں جو گزشتہ تواریخ سے اور نیز موجودہ زمانہ کے مسیحوں کے تجربہ سے ظاہر ہوتی ہیں بے شمار ہیں +

۱۷-ا-الیاس ہمارا ہم جنس انسان تھا اس نے دُعا پر دُعا کی کہ پانی نہ برسے سو تین برس اور چھ مہینوں تک زمین پر پانی نہ پڑا +

رسول یہاں دُعا کی قدرت کی ایک مثال پرانے عہد سے دیتا ہے باوجودیکہ الیاس ہماری مانند تھا یعنی تقصیروں اور کمزوریوں سے آزاد نہ تھا تاہم اس نے بڑی سرگرمی سے دُعا کی کہ مینہ نہ برسے اور اُس کی یہ دُعا سُنی گئی (دیکھو ۱ سلاطین ۱۷/۱ اور ۱۸/۱) **تین برس اور چھ مہینوں تک** (دیکھو ۱ سلاطین ۱۸/۱) +

۱۸-ا-اور اُس نے پھر دُعا کی تو آسمان نے پانی برسایا اور

زمین اپنے پھل اُگا لائی +

اس نے پھر دُعا کی (دیکھو ۱ سلاطین ۱۸/۳۹-۴۵ اور لوقا ۴/۲۵) ہم الیاس کی دُعا سے سچی اور کامیابی دُعا کے نشان اور خاصیتیں سیکھتے ہیں (۱) پورا پورا یقین اس بات کا کہ دُعا ضرور قبول ہوگی (۲) ہماری دُعائیں کوئی خاص مقصد رکھتی ہوں (۳) دُعا سرگرمی اور الہام سے کی جائے۔ کیونکہ سچی دُعا انسان کی زندگی کے کاموں میں سے ایک نہایت سرگرمی کا کام ہونا چاہیئے (۴) بار بار کی جائے۔ ایک طرح ضد اور زبردستی کرنی پڑتی ہے (پیدائش ۳۲/۲۴-۲۸) (۵) جواب کا منتظر رہنا چاہیئے (۶) سچی دُعا قبول کی جاتی ہے (دیکھو یشعیاہ ۵۷/۱۵) (زبور ۶۶/۱۸) (عبرانیوں ۱۰/۱۲)

۱۹-ا-اے بھائیو جو تم میں سے کوئی سچائی کی راہ سے گمراہ ہو اور کوئی اُس کو پھرا لائے +

بیشک کسی گمراہ بھائی کو اپنی ہمدردی اور نصیحت اور دُعا سے پھیر لانا بڑا مبارک کام ہے سچائی یعنی راستبازی کے نشان جو انجیل میں بتلائے ہیں اسکو پھرا دے یعنی اگر کوئی اُسے غلط راہ سے سچی راہ پر لائے (۱) تو ہر ایک شخص پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کو راہِ راست کی طرف رجوع کرائے مگر بالخصوص ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ اپنے بھائی کو جو سیدھی راہ سے بھٹک گیا پھیر لائے +

۲۰- وہ یہ معلوم کرے کہ جو کوئی ایک گنہگار کو اسکی گمراہی کی راہ سے پھِرا لاتا ہے تو ایک جان کو موت سے بچائیگا اور بہت گناہوں کو چھپائیگا۔

وہ معلوم کرے یعنی اپنی خوشی اور تسلی اور ہمت کے لئے اس بات کو یاد رکھے کہ **وہ ایک جان کو موت سے بچائے گا۔** ایک بیش قیمت رُوح کو ابدی ہلاکت سے بچائے گا کسی شے یا کام سے ایسی خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ جیسی ایک روح کو ابدی تاریکی سے نور میں لانے سے ہوتی ہے۔ روحوں کو بچانے کا کام اس دُنیا میں نہایت بزرگ اور مبارک کام ہے وہ مسیح کے کام کا ہم شکل ہے ہر ایک مسیحی کو اس میں ہاتھ لگانا چاہیئے گنہگاروں کو تباہ ہوتے دیکھنا اور اُن کو بچانے کے لئے ہاتھ نہ پھیلانا فی الحقیقت ایک سخت گناہ ہے۔ افسوس ہے کہ بہت مسیحی اپنی اس ذمہ واری کو نہیں پہچانتے۔ **بہت گناہوں کو چھپا دے گا۔** اپنے گناہوں کو نہیں بلکہ اس کے گناہوں کو جو گمراہی کی راہ سے پھرایا گیا ہے مسیح کے کفارے کے سبب سے جو گناہوں کی معافی کا وسیلہ ہے اس کے گناہ ڈھانپے اور مٹائے اور ہمیشہ کے لئے چھپائے جائینگے (دیکھو زبور ۳۲:۱) رسول یہاں اس برکت کی طرف توجہ طلب کرتا ہے جو توبہ کرنے سے دلوں پر نجات یافتوں کی وساطت سے نازل ہوتی ہے جو شخص روحوں کو بہت پیار کرتا اور لوگوں کو اس واسطے راستی پر لانا چاہتا ہے کہ ان کی حالت بہتر اور خوشتر ہو جائے وہ مسیح کا ہم شکل ہے ہمارے خداوند نے اپنے شاگردوں کو اس لئے بُلایا کہ وہ آدمیوں کے مچھوے ہیں۔ وے جن کی کوشش سے بہتیرے صادق ہو گئے ستاروں کی مانند ابدالآباد چمکینگے۔

خاتمہ

جب ہم یعقوب کا خط پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تعلیمات اور نصائح سے جو عملی مسیحیت سے علاقہ رکھتی ہیں پُر ہے اگرچہ ضخامت میں چھوٹا ہے تاہم مسیحی زندگی کی روزمرہ چال اور گذران کے متعلق اس میں ساری باتیں پائی جاتی ہیں اس خط میں پہاڑی وعظ کی ایک تفسیر پائی جاتی ہے جو ہمارے خداوند کے بھائی کے قلم سے تیار ہوئی اور اس میں گلتیوں کے ۵: ۲۲ و ۲۳ کی جہاں رُوح کے پھلوں کا جو محبت اور خوشی۔ سلامتی۔ صبر۔ خیرخواہی۔ نیکی۔ ایمانداری۔ فروتنی اور پرہیزگاری میں ذکر پایا جاتا ہے۔ ایک تفسیر (عملی مثالوں اور نظیروں کی صورت میں) پائی جاتی ہے نیز اس میں ایک مفصل تاویل موجود ہے۔ اس عجیب مسیحی محبت کی جس کا ذکر پہلے قرنتی

۱۳ : ۴-۷ میں آتا ہے کہ محبت صابر اور ملائم ہے۔ محبت حاسد اور کینہ ور نہیں شیخی باز اور مغرور نہیں۔ ریا سے آزاد اور رفتار اور گفتار میں تمیز اور تہذیب کو کام میں لاتی ہے خود غرض نہیں ہوتی بلکہ فیاض اور متحمل اور صلح جو ہوتی ہے بغض اور عناد سے مبرا ہے ہر طرح کی راستی اور سچائی سے خوش ہوتی ہے تمام صعوبتیں سہتی تمام قصوروں کو جلد معاف کرتی اور ہر طرح کی ایذاؤں کو صبر سے جھیلتی۔ پس چونکہ اس خط میں عملی مسیحیت کے بارے میں اس قدر نصیحتیں پائی جاتی ہیں اس لئے مناسب ہے کہ ہم اس خط کے مضامین پر اپنے دلوں میں غور اور اپنے پڑوسیوں میں منادی کیا کریں۔ ہماری ہندوستانی کلیسیا کی عین وہی حالت ہے۔ جو رسولی زمانے کی کلیسیاؤں کی تھی +

آخر میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر ہم ایسی زندگی جینا چاہیں جیسی اس خط میں بیان ہوئی ہے تو چاہیئے کہ ہم اپنے آپ پر کسی طرح کا بھروسہ نہ کریں بلکہ باطنی مسیح کی قدرت اور دولت کو استعمال میں لانا سیکھیں کیونکہ سارا کمال اور بھرپوری مسیح میں ہے پس اگر مسیح ہم میں اور ہم مسیح میں ہوں تو جو کچھ اس کا ہے سو ہمارا ہے اے کاش کہ ہم اسبات کو ایمان سے مانیں اور روز مرہ اپنے ایمان کا برتن مسیح کی باطنی قدرت کے اتھاہ چشمے سے جو روح کے پاک وسیلے سے ہمارے اندر جاری ہے بھرا کریں۔ تمت بالخیر +

Rev Michael Joseph. Cell # 92 300 7233 854.
ysealjesus@gmail.com
ycsmicheal@yahoo.co.uk
Evenglist Yousaf Masih.
Cell # 92 300 7233 853.